ہفت روزہ
ذوالفقار
۱۵ ستمبر ۱۹۷۸ء
وزیر دفاع
کا دفاع کون کریگا
صفحہ ملاحظہ فرمائیے
بھٹو کی جبری معزولی سے ری پراسسنگ پلانٹ کی منسوخی تک
فوجی حکومت کے کارناموں کا جائزہ
قیمت ۵ روپے

محترم جناب ایڈیٹر صاحب!
۸ ستمبر کو روزنامہ تعمیر راولپنڈی میں مارشل لاء کے تحت قائم کردہ مارشل لاء کابینہ کے ایک نامزد وزیر محمود اعظم فاروقی کا ایک بیان پڑھا جس کا عنوان ہے "آج پوری قوم بیمار ہو چکی ہے"۔ جناب اس بیمار قوم میں (بقول آپ کے) تو نامزد وزیر موصوف کے پیر و مرشد مولانا مودودی بھی آتے ہیں۔ جنرل محمد ضیاء الحق CMLA بھی اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں اور تو اور وزیر موصوف خود بھی اسی "بیمار قوم" سے تعلق رکھتے ہیں۔ جناب آپ اصل میں خود بھی بیمار ہیں اسی لئے تو آپ اس قسم کے غیر صحت مندانہ بیانات دیتے ہیں۔ نامزد بیمار وزیر اطلاعات صاحب اور آئندہ قوم کے بارے میں کچھ کہنا ہو تو پہلے اسے تولو اور پھر بولو ــــ چرب زبانی اور اول فول بیانات سے بہتر ہے کہ خاموش رہیں۔

بیمار وزیر اطلاعات کی اطلاعات بھی بیمار ہیں "اسی لئے تو کہہ رہے ہیں کہ آج پاکستانی پریس کو مکمل آزادی حاصل ہے"۔ بزعم خود ایک انتہائی کٹر قسم کی اسلامی جماعت کے ایک لیڈر کو اتنا بڑا جھوٹ زیب نہیں دیتا۔

وزارت کا قلمدان سنبھالتے ہی الفتح مطبوعات کا ہفت روزہ "پربھات" بند کر دیا گیا۔ سینکڑوں صحافیوں کو آزادی صحافت کی جدوجہد کی پاداش میں پابند سلاسل کر دیا گیا ہے، جیلوں میں ان پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی گئی ہے۔ گیارہ ماہ کی مسلمان بچی کی ماں لالہ رخ کو اسی لئے جیل بھیجا گیا ہے کہ اس کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ آزادیٔ اظہار مانگتی ہے۔ جناب میں پوچھتا ہوں کیا یہ نظام مصطفےٰ کے عین مطابق ہے؟

کے ایم۔ شوق
راولپنڈی

## بائیں بازو کی پارٹیوں کے درمیان اتحاد

الفتح اور اس کے بعد اس ادارے کے دیگر مطبوعات عوام کی صحیح سمت میں نشاندہی کر رہے ہیں۔ ترقی پسند دوستوں کی تحریروں سے ہمیں نیا جوش اور ولولہ حاصل ہوتا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ریاستی مشینری امیروں کے مفاد میں اور غریب کے خلاف کام کر رہی ہے۔ ہر قسم کے خوف سے بالاتر ہو کر ترقی پسندوں کی حق گوئی، وہ عظیم کارنامہ ہے جو محنت کشوں اور مظلوموں کی جدوجہد کی تاریخ میں ہمیشہ تابندہ رہے گا۔ پاکستان کے دائیں بازو کے عناصر اپنے ناپاک مقاصد کی خاطر کئی دفعہ متحد ہوتے رہتے ہیں اور بکھرتے رہتے ہیں چونکہ ان کے عزائم غربت زدہ اکثریت کے مفاد پر مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اس لئے یہ ہر بار منہ کے بل گرتے ہیں اور ان کے پیچھے چلنے والے سادہ لوح ہر بار مایوسی کے شکار ہوتے ہیں۔ ترقی پسند اور بائیں بازو کی قوتوں کو متحد ہونے کا یہی وقت ہے، ضرورت ہے، بائیں بازو کی ایسی ملک گیر پارٹی کی جس کی قیادت میں مظلوم طبقات اقتدار حاصل کر کے غیر طبقاتی معاشرہ قائم کریں۔ تمام ترقی پسند پارٹیوں سے کم سے کم شرائط پر اتحاد کیا جائے۔ پیپلز پارٹی کو نظرانداز نہ کیا جائے۔ ہمارے ملک میں ترقی پسند قوتوں کی فتح تیسری دنیا کے لئے ایک مثال ہوگی۔ اور ایشیا میں سامراج کے زوال کا آخری پیغام۔

محمد شریف، سرحد

## لون نول کے پیروکار

الفتح کی پابندی کے بعد اب شائع کردہ کئی جرائد نظر سے گذرے، پربھات کی اشاعت بھی روک دی گئی۔ میرے دوست، یہ لوگ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ہم آٹھ کروڑ، ایک شخص کے سامنے ضرور جواب دہ ہیں۔ کب دبے گی آواز اور ہم بھی دیکھیں گے۔

اس دور میں کبھی بھی عام آدمی کے مسائل حل کرنے کی سنجیدگی سے کوشش نہیں کی گئی۔ ان لوگوں کو ہم سے نفرت ہے، کدورت ہے۔ ملک تو ہمارا ہے، یہ تو لون نول کی پیروی کریں گے۔ آپ کی قربانی، ہمت، دلیری، ثابت قدمی باعث ننگ ہے۔ ہم اکثر دوست آپ جیسے لوگوں کی مثال دیتے ہیں۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۷۸ء کو لاہور میں کنونشن ہے۔ واٹا امیر حیدر کا کارڈ ملا ہے۔ ان کا حکم ہے ضرور پہنچوں۔

مرزا محمد سلیم۔ جہلم

آداب
الفتح مطبوعات کے پرچے "ذوالفقار" میں مزدور کسان طلبہ عوامی رابطہ کمیٹی کے ایک بیان میں قومی کتاب گھر، حیدرآباد اور پنجاب ادبی مرکز ڈیرہ اسماعیل خان پر پولیس کے چھاپوں کا ذکر تھا مگر مکتبہ افکار نو، ڈیرہ اسماعیل خان پر پولیس چھاپے کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ مکتبہ افکار نو سے ہزاروں کی تعداد میں کتابیں پولیس اٹھا کر لے گئی ہے۔ جب کہ مکتبہ افکار نو کے مالک عبدالوحید ایڈووکیٹ پہلے ہی نام نہاد مالاکنڈ کیس میں ملوث کر لئے گئے تھے۔ پاکستان آج جس نازک دور سے گزر رہا ہے اور بائیں بازو کے اتحاد کی جتنی ضرورت ہے۔ اس سے آپ خود آگاہ ہیں مگر اس نازک دور میں بھی بعض لوگ شدید قسم کی تنگ نظری کی بیماری کا شکار ہیں اور یہی لوگ بائیں بازو کے اتحاد کی رکاوٹ بھی ہیں۔ مکتبہ افکار نو کے خلاف بھی پولیس کی کارروائی اسی طرح تھی جس طرح کہ قومی کتاب گھر۔

س۔ ش۔ عادل
انچارج مکتبہ افکار نو
ڈیرہ اسماعیل خان برانچ

یہ تاثر کہ انگریز حکمران انفرادی طور پر راشی اور بدعنوان نہ تھے قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ چھوٹے صوبے انگریز افسروں کے لئے ایک شکارگاہ کا کام دیا کرتے تھے۔ ان کو حکم ہوتا کہ لوٹو کھسوٹو مگر ہر قیمت پر امن و امان قائم رکھو۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ پھر ان چھوٹے صوبوں میں تعلیم عام نہ تھی۔ لہٰذا پنجاب سے ہی سرکاری اہلکار بھرتی کر کے بھیجے جاتے۔ جو اعلیٰ حکام کے لئے بطور ایجنٹ کام کرتے یعنی امن و امان بھی قائم رکھا جاتا۔ افسران بالا کی جیبیں بھی گرم رکھی جاتیں۔ قیام پاکستان کے بعد انگریز آقا سدھار گئے۔ لیکن ان کے پروردہ تجربہ کار اڑھتے ہر سطح پر اپنے مذموم مشاغل اور مصروفیات پر بلا روک ٹوک عملدرآمد کرتے رہے لیکن صوبوں کے اندر عوامی نمائندگی کے ابھرنے سے مشکلات پیدا ہونے لگیں۔ انفرادی داد بیداد سے بات "بے لگام" اخبارات تک پہنچی۔ سفید ہاتھی جو انگریزوں کے بعد خود ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے تھے، سیاست دانوں کو لڑا بھڑا کر جمہوریت کو "ناکام" ثابت کر چکے تھے، بلکہ صدارت اور وزارتوں پر بھی قابض ہو چکے تھے۔ اپنا اثر و رسوخ اور حتمی عملداری اب وہ تمام صوبوں میں یکساں طور پر قائم کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ ون یونٹ کا فارمولا یعنی قیام وحدت مغربی پاکستان کی متعدد سیاسی وجوہات منظر عام پر لائی جاتی رہی ہیں۔ لیکن بنیادی وجہ یہی تھی کہ بابو لوگ جواب "افسر" ہی نہیں بلکہ بادشاہ گر بن چکے ہیں۔ اپنی قلمرو اور اپنی شکارگاہ کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ ۱۹۵۶ء کے بعد لاہور سے مغربی پاکستان کے طول و عرض پر ان کی حاکمیت قائم ہو گئی۔ ہر شعبے میں جبر و استبداد کا بازار گرم ہو گیا۔ تاہم محکمہ جاتی ماہرین اکثر و بیشتر راستے سے پتھر ثابت ہوتے رہے تھے۔ اخبارات کی آواز کو بھی دبانا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ بتدریج وطن کے اندر اور باہر تمام محکموں پر "بابو" لوگ مسلط ہو گئے تعلیم تجارت صنعت صحت خارجہ دفاع غرضیکہ ہر شعبے میں انہوں نے اپنے آہنی پنجے گاڑ دیئے تھے اور سی ایس پی افسران کو عدلیہ اور پولیس کی طرف منتقلی بھی عمل میں لائی گئی۔ انفرادی طور پر اخبارات سے سودا بازی ترک کر کے پریس ٹرسٹ کی آڑ میں صحافت کو زر خرید بنا دیا گیا۔ جو اخبار ٹرسٹ سے باہر رہے ان پر بھی نیوز پرنٹ اور اشتہارات کے ذریعے مکمل کنٹرول رکھا گیا۔ ایوب خان کے "سنہری" دور میں بابو لوگ وطن عزیز کے سیاہ و سفید پر پوری طرح تسلط جما چکے تھے۔ صنعت کاروں کو تحفظات دلوا کر افسر شاہی نے اس طبقے سے بھی خوب کمایا بجلی اور ٹیکس کی چوری اور چور بازاری کی بدولت سرمایہ دار لکھ پتی۔ کروڑ پتی بن گئے تو متعلقہ حکام بھی گھاٹے میں نہ رہے۔ اگر صنعت اور ان کی بیویاں بیٹیاں چند گھنٹوں میں ہزاروں لاکھوں صرف کرنے کے قابل تھیں تو معمولی کلرک اور تھانیدار بھی مالا مال ہوتے جا رہے تھے۔ عام آدمی پر اس صورت حال کا اثر ناگزیر تھا۔ کچھ لوگ راتوں رات امیر ہونے کا خواب دیکھنے لگے تو باقی اس لوٹ کھسوٹ کی زد میں آ کر نان شبینہ کے محتاج ہو گئے۔ زباں بندی اور تنگدستی یعنی مار کھاؤ۔ مگر فریاد نہ کرو۔ یہ گھٹن اور جبر و تشدد کی فضا دیر تک قائم نہ رہ سکتی تھی پیپلز پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔ ایوب خان کی آمریت کا بت ٹوٹ کر پاش پاش ہو گیا۔ لیکن بابو لوگوں کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں۔ ملک دو ٹکڑے ہو گیا۔ بنگال کا کانٹا نکل گیا۔ لیکن افسر شاہی کا خواب ٹوٹ پھوٹ گیا۔ عوامی حکومت برسر اقتدار آ گئی۔ سیاست دانوں کا جو اجو مشکل آ رہا تھا۔ پھر گلے میں آن پڑا۔ چنانچہ منصوبے بنے۔ اسکیمیں تیار ہوئیں۔ بحران پر بحران پیدا کئے گئے۔ گھیراؤ جلاؤ۔ لسانی جھگڑے۔ پولیس بغاوت صوبوں اور مرکز میں اختلافات۔ پیپلز پارٹی کے اندر انتشار و افتراق یہ سب ہمارے حاضر دماغ ہر فن مولا شاطر افسر شاہی کے کرشمے تھے۔ ما رچ تحریک ان کے عملی تعاون کے بغیر پنپ نہ سکتی تھی۔ اور اب پانچ جولائی سے ایک بار پھر ہم سفید ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندے جا رہے ہیں جو چاہے ان کا حسن کرشمہ ساز کرے۔ کوڑے۔ قید۔ نااہلی۔ جعلی مقدمات ان کے بائیں ہاتھ کے کرتب ہیں۔ عوام کو چاہئے کہ سورۂ فیل کا ورد کریں تاکہ اس بلا سے نجات حاصل ہو۔

فرخ پیرزادہ

ہفت روزہ

# ذوالفقار

گھوٹکی

جلد: ۱۵ • شمارہ: ۶۶۶

۱۵ ستمبر ۷۸ء

قیمت: ۵ روپے


دفترِ رابطہ

مطبوعات


۵-۶۹، ڈی زمری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ ایس، کراچی — ۲۹

فون: ۴۳۲۲۷۴



ایڈیٹر
وہاب صدیقی

قائم مقام ایڈیٹر
راشد بشیر

کالم نگار
حسین نقی

وقائع نویس
شبیہہ الحسن

انتظامی امور
حاجی عدیل

سرورق
سعید الدین حسین

اسلام آباد
ذوالفقار حیدری


## خاص مضامین




غیر ممالک

بیجنگ
رشید بٹ

ماسکو
محمد زاہد

کینیڈا
سعید ابن سعود

لندن
عبدالحفیظ قریشی

یورپ: فاروق طارق

متحدہ عرب امارات
مقیم دوبئی
غلام جیلانی

[illegible]

تھرپارکر
محبوب احمد

خیرپور، سکھر
جیکب آباد، لاڑکانہ
کامران ابڑو

سانگھڑ
ایاز سندھی

ٹنڈو الہ یار
کامل سومرو

ملتان
ناصر زیدی

فیصل آباد
طارق سعید

گوجرانوالہ
محمد افضل بجوہ

ٹوبہ ٹیک سنگھ
غیاث الدین جانباز

سرگودھا
الطاف چغتائی

دھاریجی
احسان ملک

گوادر
سلیمان شریف

میانوالی
روشن ملک

آزاد کشمیر
سید نذیر گیلانی

صوبائی

سندھ مقیم حیدرآباد
احسان عظیم

پنجاب مقیم لاہور
کاشف

سرحد مقیم پشاور
امان تاجک

بلوچستان مقیم کوئٹہ
ناصر عرفات

چیف ایڈیٹر
سید اظہر مدنی



اے، اے گیلانی
پبلشر، پرنٹر نے سید پریس
گھوٹکی سے چھپوا کر
دفتر ہفت روزہ ذوالفقار
گھوٹکی سے شائع کیا۔

# راج گرُو سے نہیں جنرل ضیاء سے اختلاف

یوں تو پاکستان کی سیاست دوسرے اکثر نیم نو آبادیاتی ممالک کی طرح مسلسل بحران کا شکار رہی ہے۔ لیکن پچھلے دو سال سے تو ایک ہیجانی کیفیت ہے جو ملک کے عوام پر مسلط کر دی گئی ہے۔ فی الحال ہم اس بحث میں نہیں پڑیں گے کہ اس کی ذمہ داری کس کس پر اور کس حد تک عائد ہوتی ہے۔ لیکن عوام کے حوصلے اور قوتِ برداشت کو ضرور خراجِ تحسین پیش کریں گے جو اپنی رائے اور فیصلوں پر اس استقلال سے قائم ہیں کہ وہ تمام طاقتیں جو اس مستقل مزاجی سے خوفزدہ ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ ہر حیلے، ہر بہانے، انتخابات ملتوی رہیں اور عوامی تائید و حمایت سے محروم لوگ غیر اخلاقی طور پر اقتدار پر قابض رہیں۔

ان صبر آزما حالات میں بھی بعض حضرات ستم ظریفی سے باز نہیں آئے۔ مثال کے طور پر ۱۳ ستمبر کے اخبارات ہی کو لیجیئے۔ جن میں فرقہ مودودیہ (المعروف بہ جماعت اسلامی) کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کا بیان نمایاں طور پر شائع ہوا ہے۔ زیادہ دن نہیں گذرے مودودی صاحب کو خود اپنی جماعت میں پسپائی اختیار کرنی پڑی تھی۔ اور وہ جماعت کے تاحیات امیر کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے تھے۔ مگر بھلا ہو امریکی علاج اور پیٹرو ڈالر کی طاقت کا کہ کم از کم پاکستان کی حد تک نو تعمیر منصورہ ویٹیکن اور مودودی صاحب پوپ کے درجے پر فائز ہیں۔ اس حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے قائداعظم کو قائداعظم اور عظیم شخصیت تصوّر کرنے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کی غرض و غایت بیان کے اگلے حصّے سے واضح ہو جاتی ہے کہ قائداعظم کے تصوّر پاکستان کو، تمام دستاویزی شہادتوں کے برخلاف، جماعتِ اسلامی کا تصوّرِ "حقیقی اسلامی مملکت" ثابت کرنا ہے۔ مصلحتیں کیسی کیسی قلابازیاں کھلاتی ہیں! اسی بیان میں مودودی صاحب نے ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ "اختلاف رائے کو مخالفت قرار نہیں دیا جا سکتا" قطعِ نظر اس بات کے کہ ہم اختلاف کو جمہوری معاشرے کے شہریوں کا بنیادی حق تصوّر کرتے ہیں، موجودہ مارشل لائی دور کے راج گرو کے اس نکتے کو سند تسلیم کرتے ہوئے اپنے اختلافِ رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

یہ اختلاف ہمیں مودودی صاحب سے نہیں جنرل ضیاء الحق صاحب سے ہے۔ اس اختلاف کا تعلق اس بات سے نہیں ہے کہ ایک باضابطہ اور وہ بھی مسلح افواج کے سرکاری ملازم کی حیثیت سے انہوں نے اپنے اختیارات کو کیسے برتا۔ کیوں کہ اس کا فیصلہ تو آئندہ منصفانہ، آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے ذریعے برسراقتدار آنے والی حکومت اور عوامی نمائندے کریں گے۔ ہم تو صرف ان تین نعروں کے بارے میں اپنے اختلاف کا اظہار کر رہے ہیں جنہیں اختیار کرنے کی تلقین جنرل صاحب نے فرمائی۔ ہمارا اختلاف صرف اس حد تک ہے کہ سیاق و سباق، حالات، ماحول، وقت اور مقام کے اعتبار سے نعروں کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے۔

جنرل صاحب کو یقیناً علم ہوگا کہ "پاکستان کا مطلب کیا، لا الٰہ الا اللہ" فرقہ مودودیہ کی اپنی اختراع ہے۔ اگر اس نعرے کو اس کے معانی اور اطلاق کی وسعت کے ساتھ درست مان لیا جائے تو پھر جماعت اسلامی جمعیت العلماء اسلام، مجلس احرار اور دوسری کئی سیاسی جماعتیں خود خدا کی وحدانیت کی مخالف اور منکر ٹھہرتی ہیں۔ کیا جنرل صاحب انہیں یہ حیثیت دینا چاہتے ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر جنرل صاحب آج کل کس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں؟ جنرل صاحب کو شاید علم ہو کہ سابق مشرقی پاکستان، بلوچستان اور مارچ ۱۹۷۷ء کے بعد کے دنوں میں مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔ گھروں کو آگ لگائی تھی اور وہ سب کچھ کیا تھا جس کا خیال بھی تکلیف دہ ہے۔ اسی طرح پاکستان کو توڑنے والے حکمران بھی اپنی ہر تقریر پاکستان زندہ باد کے نعرے پر ختم کرتے تھے۔

ہم جنرل ضیاء الحق صاحب، ان کے رفقاء اور حاشیہ برداروں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیاست ایک پیچیدہ سیاسی عمل ہے، اور ہر سیاسی عمل بیک وقت کئی اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ یہ کام انہی پر چھوڑیئے جنہوں نے اس کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں۔ رہی خرابی کی بات تو وہ کہاں نہیں ہے۔ اور کون سا وقت ایسا گذرا ہے جب رائے عامہ کے نمائندوں اور ترجمانوں نے اس کے لئے لڑائی جاری نہیں رکھی۔ وہی اسے درست بھی کر سکتے ہیں۔ آپ کے پیشہ ورانہ فرائض منصبی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

حسین نقی

# چار وزارتوں کا کرشمہ

# مودودی کے نظریات بدل گئے

## ہم سمجھنا چاہتے ہیں "بھٹو ازم" کیا ہے؟

قائداعظم کو پتہ ہوتا کہ بیس سال بعد محض چار وزارتوں کا حلف دلانا ہوگا تو وہ تحریکِ پاکستان کے دوران ہی مولانا مودودی کو یقین دہانی کرا دیتے اور ان کے ہاتھوں "مفسدِ اعظم" اور "کافرِ اعظم" کے القابات سے محفوظ رہتے ۔ اس لئے میں تو جنرل ضیاء الحق کو مبارک باد دیتا ہوں کہ وہ مولانا مودودی کے گھر کے بھیدی نکلے اور مولانا کو عمر کے آخری حصے میں مشرف بہ قائداعظم کرنے میں کامیاب ہوئے کہ اب مولانا نے قائداعظم کی تیسویں برسی پر ایک اخباری انٹرویو میں مصلحت وقت کی خاطر یہ "سچ" بولنے پر اپنے آپ کو مجبور پایا کہ :-

"میرے دل میں مسلمانوں کے جن لیڈروں کا احترام سب سے زیادہ تھا ان میں سے ایک قائداعظم مرحوم بھی تھے میں نے ہمیشہ ان کو ایک با اصول ، راست باز اور مضبوط سیرت و کردار کا مالک انسان سمجھا ۔ اور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۸ء تک کبھی میرے دل میں ان کے متعلق یہ بدگمانی پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اپنے ضمیر کے خلاف بھی کوئی بات کہہ سکتے ہیں ۔"

"سرمایہ دارانہ سیاست میں "سچ" کو جس قدر اہمیت حاصل ہے مولانا مودودی کا یہ بیان اس کی سب سے بڑی دلیل کے طور پر ہمارے آپ کے پیش نظر ہے ۔ یقین جانیے کہ ہمیں اس بیان پر کوئی تعجب نہ ہوا ، اور ہمیں اگر اگلے سال تک موجودہ حکومت برسر اقتدار رہی تو اس پر بھی کوئی تعجب نہ ہوگا کہ مولانا مودودی یہ کہہ دیں کہ وہ قائداعظم کی تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں اور اس کے ثبوت میں وہ یہ دعوے کریں کہ دہلی میں قائداعظم کے قیام کے دوران ہر رات وہ اور قائداعظم مل بیٹھ کر پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے منصوبہ بندی کرتے رہے ہیں اور پٹھان کوٹ میں انہوں نے مسلم لیگ کے جلوس کی قیادت کی تھی یا یہ کہ ۱۹۴۷ء میں قائداعظم نے اچھرہ میں ان کے ساتھ شام گذاری اور مولانا کو وصیت فرمائی کہ پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کی ٹوٹ پھوٹ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ مشرقی پاکستان کے عذاب سے جان چھوٹے اور پاکستان کی نظریاتی سرحدیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنے کی خاطر پاکستان کو سامراجی طاقتوں کا طفیلی ملک اور مہرہ بنا دیا جائے ۔ مجھے تو اس پر بھی کوئی تعجب نہ ہوگا کہ میاں طفیل محمد کل کو یہ دعویٰ کر دیں کہ قائداعظم نے ان سے خود یہ درخواست کی تھی کہ وہ مسلم لیگ کی صدارت نہ قبول کریں اور جماعت اسلامی کی امارت کے لئے ابھی وقت سے مستعد ہو جائیں اور محمود اعظم فاروقی صاحب یہ دعویٰ جاری کر دیں کہ وہ سیتاپور کی ضلعی مسلم لیگ کے خزانچی تھے اور یو پی مسلم لیگ کے اخبار تنویر کے اداریئے ان کے قلم کی روانی کا ہی نتیجہ ہیں ۔

فاروق لغاری

اگر یہ سب حضرات یہ دعوے کر دیں تو آپ ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں یا اگر ہمارے پروفیسر خورشید یہ بتائیں کہ قائداعظم نے خود ان سے کہا تھا کہ میاں صاحبزادے تم معاشیات کا مضمون ضرور لینا اور مولانا مودودی کے خانوادے میں شامل ہونا کہ تم نے تیس برس بعد ہماری معیشت کو اسلامی راستے پر ڈالنا ہے ۔ ظاہر ہے کہ خورشید صاحب کا کوئی ہم عمر ان کے اس دعوے کو کیسے رد کر سکتا ہے کہ جب مولانا مودودی اپنی تحریروں کے بالکل الٹ دعویٰ کر سکتے ہیں تو پروفیسر خورشید احمد کے کلیم کے کاغذات کی کیسے جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے ۔

مولانا مودودی کا بیان پڑھ کر نہ جانے کیوں محکمہ متروکہ املاک کے افسران کا اور کلیم داخل کرانے اور جعلی پی ۔ ٹی ڈی حاصل کرنے والوں کا یکبارگی خیال آ گیا لیکن یہ کوئی ذہنی پراگندگی کا مظہر نہیں کہ محکمہ سٹلمنٹ نے ہمارے دسیوں

شناساؤں کو سینکڑوں فٹ اونچے پودینے کے درختوں کے باغات کا حقدار قرار دیتے ہوئے آموں کے بیسیوں باغات الاٹ کر دیئے، ۵ مرلے کا کوٹھا چھوڑ کر آنے والوں کو ۶ کنال کی کوٹھیاں کلیم میں دلوا دیں۔ چھابڑی لگانے والوں کو مال روڈ کی بڑی بڑی دوکانیں بمع سامان اور نقد حوالے کر دیں حتیٰ کہ جو محض چند گھنٹے کے لئے سرحد سے اس پار تفریحاً بھی نہیں گئے تھے۔ انہیں بھی متروکہ املاک کا حق دار ٹھہرایا۔

میں اپنے محقق دوستوں کے لئے یہ موضوع چھوڑتا ہوں کہ وہ مولانا مودودی اور محکمہ سٹلمنٹ کے پر بصیرت موضوع پر تحقیق کریں اور حاکمانہ رائے کا اظہار کریں۔

موضوع زیادہ، وقت اور جگہ کم اور پھر بے یقینی کہ الفتح پبلی کیشنز کے ہاتھ کوئی رسالہ آئے گا بھی یا نہیں۔ میں نے غیر سنجیدگی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ پھر بھی آپ کو یہ جان کر سخت رنج پہونچے گا، کہ کمیونزم ہر صبح کو ہمارے نواب زادہ نصر اللہ خاں کے دروازے پر دستک دیتا رہتا ہے اور اب جناب محمود اعظم فاروقی کو "پائل کی جھنکار" میں بھی کچھ اس قسم کی آوازیں سنائی دینے لگی ہیں۔

اور ادھر کوئی مولانا مفتی محمود کی نہیں سنتا کہ وہ قومی اتحاد کے سربراہ ہیں حکومت کے نہیں۔ پھر خاکسار تحریک کو بھی اس بات پر سخت حیرت ہے کہ ایک "اسلام پسند جماعت کا وزیر اطلاعات ریڈیو سے فلمی گانے بند کرانے کی کے لئے بھی مہلت (طلب) کرتا ہے جب کہ رمضان کے فوراً بعد اسلامی پروگرام بند کر دیئے گئے ہیں؟

اب خاکسار تحریک جس کے سربراہ اشرف خان صاحب آف "لانگ مارچ" (اسلام آباد تک والی) ہیں۔ یہ دھمکی دے رہی ہے کہ "ہم ان بناوٹی اسلام پسندوں کو بے نقاب کر دیں گے"۔

دیکھیئے یہ اسلام پسندوں کا آپس کا معاملہ ہے اور ہم مداخلت خالدین کے خلاف ہیں!!

پھر لسان نظام مصطفےٰ مسٹر رفیق احمد باجوہ جو تحریک نظام مصطفےٰ میں جنرل نیازی صاحب کو کلام پاک کا تحفہ پیش کرنے کے بعد اور چھ ماہ کے اندر پورا اور اگلے روز سے نظر آنے والا نظامِ مصطفےٰ اور ۱۹۷۰ء کی قیمتیں نافذ کرنے کے ساتھ جمہوریت اور جمہوری حقوق کے علمبردار اور اسلامی اخبارات ورسائل کے صفحۂ اوّل کی چیز ہوا کرتے تھے آج علی الاعلان یہ فرماتے ہیں کہ اسلام اور جمہوریت میں قطبین کا فاصلہ ہے اور پاکستان میں جمہوریت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ "قطعی کوئی جگہ نہیں ہے"۔

انہوں نے جمہوری اور کمیونسٹ طاقتوں پر اندرونِ ملک جمہوریت اور کمیونزم نافذ کرنے کی کوشش میں "ملوث ہونے کا الزام" لگایا ہے!!

جی ہاں! ہمارے یحییٰ بختیار صاحب کو بھی یاد آگیا ہے کہ ملک کے لئے جمہوریت اور شہری حقوق بنیادی ضرورت ہیں۔ اور مس بے نظیر بھٹو نے ارشاد فرمایا ہے کہ "عوام سوشلزم چاہتے ہیں" "روٹی، کپڑا اور مکان چاہتے ہیں۔ عزت اور وقار چاہتے ہیں" لیکن ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ پورا ملک "بھٹو اور بھٹو ازم" چاہتا ہے۔

ہم بھی بھٹو کو زندہ اور آزاد چاہتے ہیں لیکن یہ "بھٹو ازم" کیا ہوتا ہے؟ فاروق لغاری نے بھی فرمایا تھا کہ مرکزی عاملہ بھی اس نتیجہ پر پہونچی ہے۔ ہم سمجھنا چاہتے ہیں کہ "بھٹو ازم" کیا ہے۔ ایک بات بیگم خاکوانی بھی کہتی ہیں کہ عوام بھارتی گندم کا آٹا نہیں کھائیں گے۔ ہم اس کی خبر رکھنے کی کوشش کریں گے کہ کس کس جاگیردار، بڑے زمیندار نے کتنے کتنے گندم کے بیج کی درخواست دی ہے۔ ذرا اسے آنے دیجئے۔ بیگم صاحبہ!

فی الحال میں اس کالم کو ختم کرنا چاہتا ہوں کہ وقت کم ہے۔ البتہ ایک تنبیہہ ضروری ہے اور وہ پیپلز پارٹی کی قیادت کے لئے ہے کہ وہ ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۱ء کا دور بھول جائیں اور غلط فہمیوں اور بڑکیں مارنے سے پرہیز کریں۔ ان قوتوں کا صحیح اندازہ لگائیں جو ملک میں واقعی جمہوریت، سوشلزم، روٹی، کپڑا، مکان لینا چاہتی ہیں اور اس کے لئے عملی طور پر بھی سرگرم ہیں۔ وہ پیپلز پارٹی کے چھ سالہ دورِ اقتدار کی بلکہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے پہلے اور بعد کی موقع پرستیوں کو دہرانے کی مزاحمت کریں گی۔ اور یہ بات صاف ہونی چاہیئے کہ اب بھی بعض لیڈران پیپلز پارٹی کا خیال ہے کہ وہ عوام کو، مزدوروں کو دانشوروں کو اور غریب کسانوں کو "استعمال" کر سکتے ہیں۔

میں اس بات کو دہراتا ہوں کہ یہ سب طبقے اور گروہ بھٹو کی ترقی پسندانہ سمت کے حامی ہیں، کسی ریوڑ کی بھیڑ یں نہیں۔ اس بات کو مس بے نظیر بھٹو اور پیپلز پارٹی کی قیادت کو ذہنی طور پر تسلیم کرنا ہوگا۔ محب وطن ترقی پسند قوتیں "بھٹو" کو دوبارہ آمرِ مطلق بنانے کی مزاحمت کریں گی اور ان کی پارٹی کی ان طفلانہ کوششوں کی بھی جو پارٹی کی قیادت کے بعض عناصر کرنا چاہیں گے۔ ترقی پسندوں کا، محب وطن بھٹو دوستوں کا فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ اسی وقت روکیں، ٹوکیں۔

## پیاسی کے صالحین کی غنڈہ گردی

جب سے جماعت اسلامی چور دروازے سے اقتدار میں شامل کی گئی ہے۔ اس وقت سے صالحین کی غنڈہ گردی زوروں پر ہے۔ پی آئی اے پشاور کی صالحین کی تنظیم پیاسی کی انتقامی کارروائیوں اور غنڈہ گردی کا اب تک کئی ملازمین نشانہ بن چکے ہیں۔ لیکن پی آئی اے کی انتظامیہ یا ضلعی انتظامیہ کے کان پر اب تک جوں بھی نہیں رینگی۔ سب سے پہلے ٹریفک کے اختر شاہ کو اس وقت تشدد کا نشانہ بنایا گیا، جب وہ جہاز پر سامان لوڈ کر رہا تھا۔ ریلنگ کے باہر ہزاروں تماشائی اور پولیس کے لوگ موجود تھے۔ انتظامیہ نے اس کی رپورٹ تک درج نہیں کی۔ پھر رحمان شاہ پر ایئر کنڈیشنگ روم میں بیسیوں اشخاص کے ساتھ حملہ کیا گیا اور مقامی انتظامی سربراہ نے الٹا اسے ہی سرزنش کا لیٹر جاری کر دیا۔ اب ٹیلی فون ایکسچینج میں ڈیوٹی پہ بیٹھے ہوئے یوسف الرحمان کو اس بری طرح پیٹا گیا کہ اس کے دو دانت ٹوٹ گئے، لیکن صالحین اسی طرح آزادانہ گھومتے پھر رہے ہیں۔ اور پی آئی اے کے ملازمین یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر یہی اسلامی نظام کا آغاز ہے، تو کیا نفاذ کے وقت تمام پاکستانیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔؟

## آزادی اور اختیارات
## صرف اور صرف جماعت اسلامی کیلئے

# وزیر دفاع کا دفاع کون کرے گا

## ڈپٹی کمشنر تک نے "سفارش" سنی ان سنی کر دی

### اندرون سندھ ہفتہ وار اخبارات بند کرنے کی اندھا دھند کارروائی جاری ہے

احسان عظیم

ملک میں مارشل لاء کے تحت سویلین وزارت کے قیام کو لگ بھگ پندرہ یوم گذر چکے ہیں۔ اس دوران سندھ سے تعلق رکھنے والے تینوں وزراء کرام سندھ کا دورہ کر چکے ہیں۔ پیر پگاڑا والے محمد خان جونیجو سانگھڑ اور تھرپارکر کے گرد کئی چکر لگا چکے ہیں۔ جب کہ جمعیت العلمائے اسلام والے میر صبیح صادق خان کھوسو نے بھی تقریباً پورے سندھ کا دورہ مکمل کیا۔ اور میر علی احمد تالپر کراچی سے حیدرآباد تو پہنچے لیکن اندرونِ سندھ کے دورے کا پروگرام بیچ میں ہی رہ گیا کیوں کہ اچانک اسلام آباد طلب کر لئے گئے۔

وزراء کے دوروں اور بیانات کے سلسلہ میں ایک دلچسپ صورتِ حال یہ دیکھنے میں آ رہی ہے کہ ہر وزیر کو ریڈیو ٹیلیویژن اور اخبارات میں یکساں طور پر پبلسٹی نہیں مل رہی ہے۔ مثلاً میر صبیح صادق خان نے سندھ کے سات سے زیادہ اضلاع میں دس یوم سے زیادہ عرصہ دورے پر گذارا لیکن ان کے دورے کی مجموعی خبر اخبار کے دو کالم جتنی بھی نہیں بنتی۔ ریڈیو اور ٹی وی میں ان کی مصروفیات کا مجموعی کوریج بمشکل دو منٹ بنے گا۔ ان کے مقابلے میں محمد خان جونیجو نسبتاً اخبارات کی حد تک کچھ زیادہ ہی کور ہوئے۔ اخبارات کے کوریج میں وفاقی حکومت کی وزارت اطلاعات کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ یہ اخبارات کے مقامی نمائندوں کا مرہونِ منت ہے۔ کچھ یہی حال میر علی احمد تالپور کے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔ ان کے کراچی ایئرپورٹ اور حیدرآباد میں استقبال کو وزارت اطلاعات کے توسط سے برائے نام کوریج بھی حاصل نہیں ہوا گو کہ میر علی احمد تالپور نے پہلے ہی دن سے اخبارات کے لئے گرم گرم خبریں فراہم کرنا شروع کیں لیکن وفاقی وزارت اطلاعات جو خیر سے اب جماعت اسلامی کے ہاتھوں میں ہے۔ وہاں سے دبانے کا عمل جاری ہے۔ رہا صوبائی محکمہ اطلاعات تو مرکزی وزراء کے سلسلہ میں چونکہ ان کا تعلق نہیں ہے۔ اس لئے ادھر بھی مکمل سکوت ہے۔

میر علی احمد خان تالپور نے کراچی ایئرپورٹ پر اترتے ہی اپنی پہلی پریس کانفرنس میں سندھ رجمنٹ کے دیرینہ مطالبے کی تکمیل کا اعلان کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ سندھ رجمنٹ

ضرور تشکیل پائے گی۔ بلکہ ضروری اقدامات شروع بھی ہو چکے ہیں۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ ورنہ اعلان کی حد تک تو سابقہ حکومت بھی پیچھے نہیں تھی۔ یہ مطالبہ گذشتہ دس سال سے بھی زیادہ عرصہ سے سرفہرست ہے۔ لیکن تاحال تو وعدوں پر گاڑی لڑھک رہی ہے۔ میر علی احمد تالپور نے سندھ کے ایک اور انتہائی اہم مسئلہ کو بھی چھیڑا ہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ موجودہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سے وفاقی حکومت سے نکالے گئے سرکاری ملازمین کے معاملات پر وزارتی کمیٹی نظرثانی کرے گی۔ کمیٹی میں میر کے علاوہ محمد خان جونیجو اور صبیح صادق کھوسو شامل ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ نہ صرف وفاقی بلکہ صوبائی حکومت اور نیم سرکاری و خود مختار اداروں سے گذشتہ چودہ مہینوں کے دوران کئی ہزار کی تعداد میں ملازمین کو برطرفی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ این ڈی پی کے شاہ محمد شاہ کی شکایت کے مطابق پیپلز پارٹی کے ہاتھوں ملازمت میں آنے والوں میں سے صرف سندھیوں کو ہی ملازمت سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں برطرف ملازمین کے کیسوں کی نظرثانی اور ان کے ساتھ انصاف ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اگر موجودہ وزراء صرف یہی ایک کام انجام دے سکے تو بڑی بات ہے۔

حیدرآباد سازش کیس کے خاتمے اور بلوچوں کی رہائی کے بعد عام طور پر یہی سمجھا جا رہا تھا کہ بلوچوں نے بھی مارشل لاء سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ خصوصاً ولی خان کی کھلی حمایت اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے منہ سے غفار خان کی حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ کے بعد گویا اس خیال کی تصدیق کر دی گئی تھی لیکن اب جب کہ بلوچوں نے زبان کھولنا شروع کیا ہے۔ صورتحال قطعی مختلف نظر آتی ہے۔ گذشتہ دنوں سابق گورنر بلوچستان میر غوث بخش بزنجو نے صوبائی خود مختاری کے بارے میں واضح بیان دے کر سیاسی فضا کو یکسر بدل دیا ہے۔ باوجود اس کے کہ قیامِ پاکستان کے پہلے دن ملک وفاقی جمہوریہ قرار پایا ہے لیکن عملاً ہوا یہی ہے کہ نہ تو ملک میں وفاق کے اصولوں کے مطابق صوبوں کی خود مختاری کو تسلیم کیا گیا ہے اور نہ ہی جمہوریت اور جمہوری اصولوں پر عمل کیا گیا۔ بلکہ عملاً وفاقی حکومت نے دونوں بنیادی امور کو نظرانداز کیا۔ اس صورت حال نے صوبوں خصوصاً چھوٹے صوبوں میں احساس محرومی کو جنم دیا ہے یہی وجہ ہے کہ بزنجو کے بیان پر مضبوط مرکز کے حامی جہاں شدید برہم ہیں۔ وہیں چھوٹے صوبوں کے عوام نے بیان کو

(باقی ص ۹۴ پر)

## حکمرانی کا طرہ امتیاز یہی ہے اختلافی قوت کو کچل دو

# وزیر دفاع صاحب یہ تشدد نہیں تو کیا ہے

**تعلیم نافرمانی اور سرکشی پھیلاتی ہے پریس حکومت کے خلاف اکساتا ہے**

**ذوالفقار رپورٹ**

مارشل لا حکومت کا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے کہ سیاسی اسیروں، نظربندوں اور حوالاتیوں پر کسی قسم کا تشدد نہیں کیا جا رہا ہے، نہ گرفتاری سے پہلے نہ اس کے بعد، کیونکہ اس حکومت کا کوئی ارادہ، کوئی فیصلہ، کوئی اقدام اور کوئی عمل غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے سارے ارادے نیک، فیصلے منصفانہ، اقدامات درست اور اعمال جائز ہیں۔ بدی، ناانصافی، کجروی اور ناجائز کا اس کے ہاں گذر نہیں۔ یہ سب سابقہ ادوار خصوصاً سات سالہ دور کی برائیاں تھیں۔ لہٰذا مارشل لا حکومت اور مارشل لا کابینہ پر سیاسی مخالفوں پر تشدد کرنے کا الزام وہ لوگ لگا رہے ہیں جو معزول وزیر اعظم بھٹو کے پروردہ ہیں۔ اسلام دشمن ہیں۔ نظامِ مصطفےٰ کے مخالف ہیں اور ملک کے غدار ہیں۔ زیادہ دور کیوں جائیے، جو لوگ کراچی میں گرفتاریاں پیش کرنے والے صحافیوں، مزدوروں، طلباء اور ہاریوں پر پولیس کی طرف سے پھولوں کے ڈونگرے برستے دیکھ رہے ہیں' وہ اس بات کے شاہد ہیں۔

زیادہ دور نکل جائیے تو پٹ فیڈر کے کسانوں اور ملتان کے مزدوروں کی بیوائیں اور یتیم مسرت سے تالیاں بجا بجا کر مارشل حکومت کی پاک دامنی کی گواہی دیں گے۔ گواہوں کی فہرست یوں تو بے حد طویل ہے لیکن عدالتوں کو وہ "آخری عدالت" کھلنے تک

ان گنت مقدمات نمٹاتے ہیں۔ اگر عدم تشدد کے گواہوں نے ہی ان کا سارا وقت لے لیا تو منصف اس "آخری عدالت" کے کھلنے تک تھکن سے ادھ موئے ہو جائیں گے۔ لہٰذا چیدہ چیدہ واقعات اور مناظر ہی منصفوں کا وقت بچانے کے لئے کافی ہیں۔ تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ کے صحافی، سیاسی کارکن اور کسان رہنما قاضی غیاث الدین جانباز کو ۶ ستمبر ۷۸ء کو ایک قابل اعتراض تقریر کرنے کے جرم میں مارشل لاء کے ضابطہ ۱۳ کے تحت گرفتار کیا گیا تھا اور ان کا چودہ دن، پھر سات دن اور پھر مزید سات دن کا ریمانڈ لیا گیا۔ چونکہ وہ سیاسی کارکن ہونے کے علاوہ صحافی بھی تھے یعنی دانشوری کی ایک صنف سے تعلق رکھتے تھے اور دانشوری کا تعلق دماغ سے ہے۔ لائل پور جیل کی چکی نمبر ۲۲ میں ان کے قیام و طعام کا بندوبست کیا گیا جو پاگلوں اور ذہنی مریضوں کے لئے مخصوص ہے۔ ان سے ملاقات پر پابندی عائد کر دی گئی تھی تاکہ ملاقاتی ان کی دانشوری کا کچھ حصہ چرا کر نہ لے جائیں۔ کچھ لوگ اسے ذہنی تشدد کہہ سکتے ہیں لیکن ایسا سمجھنا قطعی غلط ہے۔

۲۶ اکتوبر ۷۸ء کو دانشور، ادیب، صحافی ابراہیم جلیس کی اچانک موت کو بھی ذہنی تشدد کے زمرے میں ڈالا نہیں جا سکتا کیونکہ ان کے سر پر ضرب نہیں لگائی گئی تھی۔ بقول غالب ع رگ دھمکی سے مر گیا۔ اگر ان کے دماغ کی شریان پھٹ گئی تو اس میں کسی کجکلاہ کا کیا قصور! کمزور رگ کو پھٹنا ہی تھا۔

سندھ ہائی کورٹ کا احاطہ ۵ دسمبر ۷۸ء کی اس صبح کو نہیں بھولے گا جب ممتاز بھٹو اور حفیظ پیرزادہ کی عدالت میں پیشی کے موقعہ پر ان کے حق میں نعرے لگانے والی خواتین کے ساتھ پولیس نے مسلمان بھائیوں جیسا حسن سلوک کر کے اپنی عظمت کا لوہا منوا لیا تھا یہ خواتین "بھٹو کو رہا کرو" کا نعرہ لگا رہی تھیں۔ پہلے تو بات تو تکار تک رہی پھر پولیس نے ان خواتین کو اپنی روایتی فحش ترین گالیوں سے نوازا اور ان پر بید زنی شروع کر دی۔ ایک ایس آئی نے پنجاب سے آئی ہوئی پیپلز پارٹی کی رکن سمیعہ اعجاز کو بالوں سے پکڑ کر زد و کوب کیا اور اس طرح اپنی وردی کا حق ادا کیا۔ کچھ سپاہی سابق وزیر صوبہ سندھ مسٹر علی احمد سومرو کی بہن نور جہاں سومرو پر پل پڑے اور وہ بے ہوش ہو گئیں۔ یہ سب ہو چکنے کے بعد ایس ڈی ایم سول لائنز مسٹر شفیق پراچہ کے سمجھانے بجھانے پر جب خواتین کورٹ کے احاطے سے باہر جانے لگیں تو اچانک پولیس ان پر ٹوٹ پڑی اور بید زنی شروع کر دی۔ ایس ڈی ایم پولیس کے جیالوں کو منع کرتے ہی رہ گئے لیکن انہوں نے کراچی کی رہنما تاجدار صدیقی کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا۔ اس آپریشن فیئر پلے کی خصوصیت یہ تھی کہ پولیس کو جو بھی سڑک پر نظر آتا، اسے پکڑ لیتی اور بید لگاتے ہوئے ٹرک پر لا کر ڈال دیتی۔ لوگ شور مچاتے رہتے کہ وہ اپنے مقدمے کے سلسلے میں ہائی کورٹ آئے تھے یا پاسپورٹ بنوانے آئے تھے غالباً پولیس اپنی بید زنی اور مارشل لاء کے کوڑوں کا موازنہ چاہتی ہوگی۔

کنفورس لیمیٹڈ پاک عرب کھاد فیکٹری، ملتان کی مزدور یونین کے ایک عہدیدار عبدالغفور گل پر جولائی ۷۸ء میں بیتی ہوئی واردات ان ہی کی زبانی سنیئے "تھانہ

صدر میں انسپکٹر انچارج، فیکٹری کی انتظامیہ کے ایڈمنسٹریشن منیجر اور ایجنٹ کی موجودگی میں میرے جسم سے ایک ایک کپڑا اتارا گیا اور بالکل ننگا کر دیا گیا۔ اس دوران گالیوں کی بوچھاڑ بھی ہوتی رہی۔ پھر میری پٹائی شروع کر دی گئی اور جسم کے ہر حصے پر بید کی ضرب پوری طاقت سے لگائی جاتی۔ مجھ پر نیم بے ہوشی طاری ہو گئی۔ ایجنٹ نے تحکمانہ لہجے میں کہا کہ میرا بھائی ... ہے ایک سالی قید اور کوڑوں کی سزا بہت معمولی بات ہے، مجھے دو دن اور دو راتیں جوڈیشل حوالات میں رکھا گیا۔ جوڈیشل حوالات روانہ کرتے ہوئے انسپکٹر نے فرمایا کہ پولیس افسران کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔

دسمبر ۷۸ء میں لیاری میں پولیس کی فتح کا منظر دیدنی تھا۔ اس کے مستعد اور جوشیلے جوان (اصطلاحاً) لاٹھیاں اٹھاتے۔ دانت کچکچاتے ہوئے مظاہرین کی طرف دوڑتے اور وہ ان کے ہاتھ نہ آتے ہوئے گلیوں میں غائب ہو جاتے۔ ان کی لاٹھیاں زمین پر پڑتیں اور سینے میں حسرت کا دھواں لئے لوٹ آتے۔ صرف آتمارام پریتم روڈ پر ایک عورت مریم ہاتھ آ گئی جسے مار کر بے ہوش کر دیا گیا۔ اس نے ہوش میں آنے پر بتایا کہ تقریباً گیارہ بجے علاقے کی خواتین بیگم نور جہاں سومرو کے بنگلے پر گئی تھیں جہاں وہ نظر بند تھیں وہاں پولیس ان کے استقبال کے لئے موجود تھی۔ جس نے ان کی تواضع فحش گالیوں اور ڈنڈوں سے کی۔ اس موقع پر وہاں جمع ہونے والے مردوں نے احتجاج کیا تو پولیس کے مجاہد ڈنڈے لہراتے ان پر پل پڑے اور انہیں دھنک کر رکھ دیا۔ اس آپریشن میں متعدد نوجوان، بچے اور عورتیں زخمی ہو گئیں جن میں عائشہ بلوچ اور عابدہ سومرو بھی تھیں۔ گرفتاریوں کی مہم میں دو آدمیوں اسمٰعیل اور محمد یوسف کو بیماری کی حالت میں ان کے گھروں سے گرفتار کیا گیا۔

لاہور کا قذافی اسٹیڈیم بھی جمعہ ۱۶ دسمبر ۷۸ء کی اس سہانی سہ پہر کا چشم دید گواہ ہے جس نے بیگم نصرت بھٹو کے سر سے بہتا ہوا لہو دیکھا ہے۔ نصرت بھٹو قذافی اسٹیڈیم میں کرکٹ میچ دیکھنے گئی تھیں اور پولیس نے انہیں اور وہاں موجود ان کے مداحوں کو چوکوں اور چھکوں سے محظوظ کیا۔ پاکستان کی طرف سے عبدالقادر باؤلنگ اور انگلستان کی طرف سے ڈیرک رینڈل بیٹنگ کر رہے تھے کہ اچانک پولیس گیٹ نمبر ۲ کے خواتین کے انکلوژر میں جنگلہ پھاند کر داخل ہو گئی اور تماشائیوں پر "بیٹنگ" شروع کر دی۔ ان میں بفضل خدا خواتین تماشائی بھی تھیں۔ ایک بارعش ڈاکٹر افتخار الدین کو گراؤنڈ میں گرا کر اتنا مارتی ہے کہ وہ ادھ موا ہو جاتے ہیں۔ پھر انہیں گھسیٹ کر لے جاتی ہے۔ ایک ایس پی نے اپنی نوکری کا تحفظ کرنے کے لئے نصرت بھٹو کی طرف اشارہ کر کے جوانوں کو حکم دیا: "اس عورت کو مارو"۔ اپنا فرض منصبی بجا لاتے ہوئے ایک

(باقی صفحہ ۴۹ پر)

# جیل یا پارٹی میں سے ایک کا انتخاب کر لیجئے

## غیور اور پارٹی کے وفاداروں پر زندگی عذاب بنا دی گئی ہے

### "چھڈ یار مولوی مذاق نہ کر"

**امان تاجک**

پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کو سرحد میں ہراساں کرنے کا نیا دور شروع ہو چکا ہے۔ گو اس کی توقع کی جا رہی تھی، مگر اس کھلے اور بیمانہ انداز کی امید نہ تھی۔ امید اس لئے تھی کہ گو سرحد میں طلبہ برادری نے جس طرح "غیر مثبت" نتائج کے ذریعے پی پی پی کی طلبہ تنظیم پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن پر اعتماد کرتے ہوئے اسے سرحد میں غیر معمولی اعزاز دیا اور سیاسی سطح پر بہت سے کھوکھلے سیاستدانوں کے پارٹی چھوڑنے کے باوجود پی پی پی کے حق میں فضا بنائی، وہ اس بات کا اشارہ تھی کہ اب سرحد میں تشدد کا نیا دور شروع ہوگا۔ ہزارہ اور مردان ضلعوں کے علاوہ ہشت نگر کے علاقوں سے بھی خبریں مل رہی ہیں کہ پولیس کے ذریعے پی پی پی کے رہنماؤں کو دھمکایا جا رہا ہے کہ جیل یا پارٹی میں سے ایک کا انتخاب کیا جائے۔ جیل کی صورت میں جائداد کی ضبطی اور لواحقین کی بھی خیر نہیں۔ اقبال جدون نے جو اس صوبے کے نہایت مرنجاں مرنج وزیر اعلیٰ رہ چکے ہیں، نے حال میں ہی اس رویے کی مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ فرسودہ ہتھیار تحریکوں کو روکنے کی صلاحیتیں کھو چکے ہیں تحریکیں تشدد یا جبر سے نہیں روکی جا سکیں۔ پی پی پی کے ایک سرگرم رہنما اور مختار قانون دان بیرسٹر افتخار گیلانی جو صرف چند ماہ کے لئے وزیر اعلیٰ کے مشیر بنے تھے۔ ان کا مقدمہ نا اہلی کے ٹریبونل کو پیش کر دیا گیا۔ سیاسی حلقے اس امر پہ تشویش کا اظہار کر رہے ہیں کہ بعض وزراء اور اراکین اسمبلی جن کے مشکوک کردار کے سبب بھٹو حکومت نے ہی تحقیقات شروع کر دی تھی، اور جن کی بددیانتیوں کی داستانیں زبانِ زدِ عام ہیں اب تک دندناتے پھر رہے ہیں اور وہ لوگ جو غیور ہیں اور پارٹی کا ساتھ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں وہ عذاب کی زد میں ہیں۔

پچھلے دنوں مردان، چارسدہ اور اتمان زئی کے مختلف الخیال سیاسی کارکنوں کا اجلاس رحمٰن شاہ کی صدارت میں ہوا۔ جس میں سرحد میں بائیں بازو کی سوچ رکھنے والے کارکنوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک پر شدید احتجاج کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ ایک طرف محب وطن اور عوام دوست شخصیتوں کو قید خانوں کی زینت بنایا جا رہا ہے تو دوسری طرف وطن دشمن اور ملک کے قیام کے مخالفین کو وزراء بنا کر کھلی چھٹی دے دی گئی ہے کہ وہ من مانی کارروائیاں کرتے پھریں۔ اجلاس کے مقررین نے اس بات پر بطور خاص تشویش کا اظہار کیا کہ جماعت اسلامی اور اس کے ہمنوا ہر محکمہ میں خصوصاً نشریاتی اداروں میں ایسے افراد کی فہرستیں تیار کر رہے ہیں۔ جو ماضی میں ان کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ یا اب ان کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے۔ اجلاس نے مختلف قراردادیں بھی منظور کیں جس کے مطابق حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ وزیر اطلاعات کو لگام دیں تاکہ وہ اپنے مخالفین کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنے کے لئے دشنام طرازیوں کا سلسلہ بند کر سکیں۔ اجلاس نے یہ بھی طے کیا۔ کہ اگر کسی بھی فرد کو مخالف نظریات کی بناء پر نکالا گیا، تو طور خم سے کیماڑی تک احتجاج کی تحریک شروع کی جائے گی اور جن لوگوں کو جماعت کے لوگ دھمکیاں دے رہے ہیں یا ان کے نکالے جانے کے امکانات ہیں ان کے تحفظ کے لئے قانونی اور سیاسی مدد مہیا کرنے کے انتظامات عنقریب مکمل کر لئے جائیں گے۔ آخری قرارداد کے تحت فوجی حکومت کے سربراہ سے دردمندانہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ مخالف نظریات رکھنے والوں پر ناروا تشدد کو روکیں کہ اس سے جنم لینے والی بے چینی نہ تو حکومت کے لئے سود مند ہو سکتی ہے اور نہ ہی ملک کے لئے۔

مولوی کوثر نیازی نے ایک بار پھر پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے ہیں۔ لیکن اس بار اس کا انداز معذرت خواہانہ ہے۔ اب وہ اپنی "جائز حیثیت" کے منوانے کے لئے باہر نکلے ہیں۔ جہاں تک ان کے اس مطالبے کا تعلق ہے کہ پی پی پی میں ان کی "جائز حیثیت" کو تسلیم کیا جانا چاہئے۔ میرا خیال ہے، کوئی ہوش مند انسان اس کی صداقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ وہ اس لئے کہ اب تک ان کی جائز حیثیت نہ تو متعین ہی کی گئی اور نہ تسلیم کی گئی۔ مثلاً جب وہ لاہور میں گوالمنڈی کے ہوٹل میں دو آنے کی چائے کی پیالی پر شعر سنایا کرتے تھے تو زندہ دلانِ لاہور بڑی سنجیدگی سے کہتے "چھڈ یار مولوی مخول نہ کر" (چھوڑ دو یار مولوی مذاق نہ کرو) اور جب وہ ایوب خان کے بیورو آف نیشنل ریکنسٹرکشن میں آٹھ سو روپے پر ادیبوں کی مخبری پر ملازم رکھے گئے، تو سید فیضی نے ان کی تنخواہ بند کر دی تھی۔ پھر بھٹو نے مودودی کے در سے اٹھا کر ایوانِ وزارت تک پہنچایا تو تب بھی ماڈرن ملاں کے نعرے کے ساتھ ٹھٹھے میں اڑایا گیا۔ اور اب دن رات فوجی جنتا کے گیت گانے اور موت کی کوٹھڑی میں پڑے اپنے محسن کو گالیاں دینے کے باوجود جنرل ضیاء الحق نے ان کے مطالبۂ وزارت کو اس فرمودے میں دفن کر دیا کہ جو اپنوں کا نہیں، وہ ہمارا کب بنے گا۔ تو کسی نے بھی ان کی جائز حیثیت کو تسلیم نہیں کیا۔

بالآخر انہیں یہ کہنا پڑا کہ پی پی پی والو تم ہی میری جائز حیثیت تسلیم کر لو۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر یہ جائز سے مراد کیا ہے موصوف کی۔ پی پی پی کے حلقے اس کی توجیہہ یہ کرتے ہیں، کہ حضرت مسیح کی مخبری کرنے والے کی "جائز حیثیت" کو انجیل نے تسلیم کر لیا ہے۔ اسی طرح مسلمانانِ ہند کی تاریخ نے جعفر و صادق کی جائز حیثیت تسلیم کر لی۔ تو آخر ہمارے مولانا کو کیوں اس سے محروم رکھا جائے۔ ہمارا خیال ہے جعفر و صادق یا مسیح کا مخبر تو پرانے کردار ہیں۔ مولانا کا مقام اس سے مختلف ہونا چاہیئے اور شاید جو قرطاس ابیض مالاکنڈ کے چند نوجوان شائع کرنے والے ہیں وہ مولانا کے لئے کسی جائز حیثیت کو تسلیم کرانے میں ممد ثابت ہو سکے۔ دیکھیئے اور انتظار کیجیئے۔

سرورق

۲۸ نومبر ۱۹۷۲ء کو اس وقت کے صدرِ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے ہاتھوں کراچی ایٹمی بجلی گھر کا افتتاح

# بھٹو کی جبری معزولی سے ایٹمی ری پراسسنگ پلانٹ کی منسوخی تک

## موجودہ بجٹ میں ایٹمی ترقی کے لئے کوئی رقم نہیں رکھی گئی

عبدالمجیب خان

نام نہاد امریکی امداد کی فراہمی پر پابندی اور فرانس کی جانب سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کی فراہمی کے معاہدے کی منسوخی کے بعد اب یہ بات کسی طرح بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ گذشتہ سال انتخابات میں دھاندلیوں کے بہانے جو سیاسی بحران پیدا کیا گیا، وہ ایک بین الاقوامی سازش کا نتیجہ تھا جس کے پس پردہ سامراجی اور صیہونی قوتیں بھرپور طریقے سے کارفرما تھیں۔ جن کا بنیادی مقصد جناب بھٹو کو اقتدار سے محروم کر کے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے معاہدے کو منسوخ کروانا تھا۔ اس سلسلے میں پاکستان کے بحران میں امریکی ذرائع ابلاغِ عامہ کی بھٹو دشمنی اور ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے سلسلے میں وائٹ ہاؤس کی جانب سے فرانس اور پاکستان پر بھرپور دباؤ، اور جناب بھٹو کو ہنری کسنگر کی دھمکیاں بہت واضح ثبوت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور آج جناب بھٹو کو ملک کے عظیم تر مفاد میں یہ معاہدہ کرنے کی سزا مل رہی ہے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد سے رونما ہونے والے واقعات نے نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ علاقائی سیاسی حکمتِ عملی میں تبدیلی نے جناب بھٹو کے موقف' اور پیشین گوئیوں کو درست ثابت کر دیا ہے۔ پی این اے کا اتحاد سو فیصد بھٹو دشمنی کے نتیجے میں عمل میں آیا تھا اس میں سے کسی بھی جماعت نے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے معاملے پر ٹھوس موقف اختیار کرنے کو قطعاً

کوئی اہمیت نہیں دی۔ جب کہ یہ معاہدہ پاکستان کے وقار کا مسئلہ بن چکا تھا۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی بھی رہنما نے ایٹمی پلانٹ کے مسئلے پر امریکی حکومت کی جانب سے شدید دباؤ کو پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کرنا گوارا کی۔

گذشتہ ایک سال سے پاکستان کے داخلی سیاسی معاملات میں امریکی انتظامیہ کس قدر دلچسپی رکھتی ہے اس کا اندازہ پاکستان میں سی آئی اے کی سرگرمیوں، نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ، امریکہ کے تبصروں اور اداریوں اور پاکستان آنے والی اعلیٰ فوجی اور سفارتی شخصیتوں کے یکے بعد دیگرے دوروں سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ۱۸ اکتوبر کو منعقد ہونے والے انتخابات بھی نیویارک ٹائمز کے مشورے سے غیر معینہ مدت تک کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔ اور اسی اخبار کے مشورے سے مشیروں کی کونسل بھی تشکیل دی گئی تھی۔ پاکستان آنے والی اعلیٰ فوجی اور سفارتی شخصیتوں کے دوروں کو یا تو خفیہ رکھا گیا یا پھر پاکستان میں ان کی سرگرمیاں اور مقاصد عوام سے چھپائے گئے۔ امریکی ساتویں بحری بیڑے کے کمانڈر کے حالیہ دورے سے پاکستان کے عوام کو بالکل غافل رکھا گیا۔ وہ کس منصوبے کے تحت آئے تھے اس کا بھی کسی کو علم نہیں؟ ساتواں امریکی بحری بیڑہ بحر ہند میں پاکستان سے چند سو میل پر کیا کر رہا ہے۔ عوام کو اس سے بھی لاعلم رکھا گیا ہے۔

جناب بھٹو کی آئینی حکومت کے خلاف صیہونی اور سامراجی قوتوں نے مصنوعی سیاسی بحران پیدا کر کے اور انہیں اقتدار سے محروم کر کے اب اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ جیسا کہ وائس آف امریکہ نے خبر دی ہے کہ فرانس نے پاکستان کے ساتھ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کا دو سال پرانا معاہدہ منسوخ کر دیا ہے اور ایٹمی ٹیکنالوجی کی فراہمی کے لئے نئے سرے سے بات چیت کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس خبر پر ایک جانب تو امریکی سیاسی حلقوں میں اطمینان کی سانس لی جا رہی ہے تو دوسری جانب پاکستان کے سیاسی حلقے اس خبر پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ مشیر خارجہ امور آغا شاہی نئے پوپ پال کی جشنِ تاج پوشی میں شرکت کے لئے روم تشریف لے گئے اور سی ایم ایل اے کینیا کے صدر جومو کینیاٹا کی آخری رسوم میں شرکت کے لئے نیروبی چلے گئے۔ اس سے قبل دفتر خارجہ کے اکثر اعلامیوں میں یہ بات دہرائی جاتی رہی تھی کہ پاکستان ہر حال میں ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ حاصل کرے گا۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امریکی دباؤ کے آگے گھٹنے کس نے ٹیک دیئے؟ کیا ایٹمی پلانٹ کا معاہدہ فرانس نے یکطرفہ طور پر منسوخ کیا ہے یا اس میں پاکستان کی موجودہ حکومت کی مرضی بھی شامل ہے؟

جہاں تک اس معاہدے کے سلسلے میں فرانس کا تعلق ہے، فرانس ایک آزاد اور "مکمل طور پر" خود مختار ملک ہے۔ اقتصادی طور پر اس کا شمار ترقی یافتہ صنعتی ملکوں میں ہوتا ہے اور فوجی اعتبار سے بھی فرانس ویٹو پاور کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈیگال کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے فرانس کی خارجہ پالیسی میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ مغربی یورپ میں فرانس وہ پہلا ملک ہے جس نے سب سے پہلے 'دیتان' کی بنیاد پر کمیونسٹ یورپ کے ساتھ اپنے تعلقات استوار کرنے کو اہمیت دی۔ جب کہ ہند چینی میں امریکی جارحیت عروج پر تھی۔ امریکی فوجی معاہدے نیٹو سے عدم دلچسپی

## قوم جاننا چاہتی ہے، ایٹمی معاہدہ کیوں منسوخ ہوا ہے ؟

کا اظہار کیا۔ بلکہ یورپ میں امریکی پالیسی پر شدید نکتہ چینی بھی کی، اور بعض اہم بین الاقوامی تنازعات کے سلسلے میں امریکہ سے اختلاف بھی کیا۔ کیا اس پالیسی پر فرانس نے امریکی دباؤ کا سامنا نہیں کیا ہوگا۔ اور کیا فرانس نے امریکی حکومت کے آگے گھٹنے ٹیکتے ہوئے سینٹو میں دوبارہ سرگرم رکن کی حیثیت سے شرکت اختیار کر لی ہے؟ فرانس آج بھی کم و بیش اسی پالیسی پر گامزن ہے۔

پاکستان سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کا معاہدہ کرنے سے قبل فرانس کے صدر ژسکار دستاں نے یہ بات پہلے ہی واضح کر دی تھی کہ اس معاہدے کے نتیجے میں آپ کا ملک بھرپور عالمی دباؤ کو برداشت نہیں کر سکے گا۔ جب کہ ہم اس دباؤ کو برداشت کرنے کی مکمل صلاحیت اور قوت رکھتے ہیں۔ اور ہم اس معاہدے پر سختی سے کاربند رہیں گے۔ چنانچہ اس معاہدے کے بعد فرانس کی حکومت پر بھی امریکی انتظامیہ نے دباؤ ڈالنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن گذشتہ سال فروری میں فرانس کے وزیر اعظم مسٹر ریمونڈ بارے نے اپنے ایک انٹرویو میں یہ بات واضح کر دی کہ پاکستان کو ایٹمی پلانٹ ضرور فروخت کیا جائے گا۔ اور وضاحت کی کہ گذشتہ سال ایٹمی ساز و سامان کی فروخت پر جس پابندی کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کا اطلاق پاکستان کے ساتھ کئے گئے معاہدے پر نہیں ہوتا۔ وزیر اعظم ریمونڈ نے اس ضمن میں امریکی دباؤ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ خود امریکی فرمیں تجارتی نوعیت کے ایٹمی معاہدے کرنے کی دوڑ میں شریک رہی ہیں لیکن اب اس میں ناکام ہو جانے کے بعد امریکہ نے فرانس پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے اور ایک خود مختار ملک کی حیثیت سے فرانس کے لئے اس معاہدے کو منسوخ کرنا اس کے قومی وقار کے منافی ہے۔

چنانچہ فرانس کی جانب سے دو ٹوک جواب کے بعد وائٹ ہاؤس نے اس معاہدے کی منسوخی کے لئے پاکستان پر بھرپور دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ اور پہیہ جام ہڑتالوں کی کامیابی کے روشن امکانات نظر آنے لگے، اور ایک بین الاقوامی سازش کے تحت بھٹو حکومت کے خلاف انتہائی گھٹیا پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی گئی اور جناب بھٹو کو اقتدار سے محروم کرنے کے لئے پی این اے کی تحریک کو تقویت بخشی گئی۔ اس سلسلے میں پاکستان کی اقتصادی امداد بند کر دی گئی۔ پاکستان کو امداد دینے والے کنسورشیم کا اجلاس جو پیرس میں منعقد ہونے والا تھا منسوخ کروا دیا گیا، بھٹو حکومت پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا الزام عائد کیا گیا اور چھ سو ملین ڈالر کے امریکی فوجی ہتھیاروں کی فروخت کا معاہدہ منسوخ کر دیا گیا۔ لیکن جناب بھٹو نے قوم کے عظیم تر مفاد میں اس مسئلے پر گھٹنے ٹیکنے کی بجائے جیل میں صعوبتیں برداشت کرنا قبول کر لیا۔

اگر امریکی انتظامیہ انسانی حقوق اور جمہوریت کے مسئلے پر اتنی ہی مخلص ہے تو پھر وہ پاکستان کے پڑوسی ملک ایران میں آج جمہوریت کی بحالی کی تحریک چلانے والوں کی کیوں حمایت نہیں کرتی۔ اور شہنشاہ

ایران کے ساتھ دو بلین ڈالر کے فوجی ساز و سامان کی فروخت کے معاہدے منسوخ اور اقتصادی امداد کیوں نہیں بند کر دیتی۔ درحقیقت پی این اے کی تحریک کے پس پردہ وائٹ ہاؤس کے مقاصد کی نوعیت قطعاً مختلف تھی۔

تیسری دنیا کے ان ملکوں کے لئے جو اقتصادی اور سیاسی طور پر مستحکم نہیں ہیں۔ بیرونی سیاسی دباؤ کے آگے گھٹنے ٹیک دینا فطری عمل کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ جب مصر کے صدر انوار السادات کو امریکہ نے جدید فوجی ہتھیاروں اور کثیر اقتصادی امداد کی لالچ دی تو انہوں نے دیگر عرب سربراہانِ مملکت کی مرضی کے خلاف فوراً اسرائیل جا کر بیگن کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ گو ان کے اس دورے سے انہیں بھی کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ مشرقِ وسطیٰ کا تنازعہ اور پیچیدہ ہو گیا۔ لیکن تیسری دنیا کے ایسے ملکوں میں جہاں فوجی حکومتیں برسرِ اقتدار ہیں، وہاں امریکی انتظامیہ کے لئے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرنا زیادہ سہل ہوتا ہے۔ ایسے ملکوں میں کان مروڑ کر امریکی حکومت اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرا لیتی ہے۔ نہ صرف عظیم قوتیں بلکہ ہمسایہ ملکوں کی حکومتیں بھی زیادہ سے زیادہ سیاسی غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں

پاکستان نے پہلی بار چین سے تعلقات قائم کرنے کی جانب پیش رفت کی تو امریکی انتظامیہ نے سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ڈھاکہ ایئرپورٹ کی تعمیر کے لئے پاکستان کی امداد بند کر دی۔ اور دوسری جانب جاپان پر بھی دباؤ ڈالا کہ وہ پی آئی اے کی پروازوں کو ٹوکیو سے چین جانے کی اجازت نہ دے۔ جس پر جنرل ایوب خان نے پاکستان میں امریکی سفیر کے سامنے وضاحتیں پیش کیں اور اس کے بعد چین کے ساتھ ابتدائی چند سالوں تک تعلقات میں سرد مہری کی کیفیت رہی۔ اسی طرح ۱۹۷۱ء میں ہندوستان نے اپنی سیاسی حکمت عملی اور جنرل یحییٰ نے بھرپور بیرونی سیاسی دباؤ کے پیش نظر نوے ہزار فوج کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ گذشتہ سال وزیر اعظم کالیہان پاکستان کے دورے پر آتے اور موجودہ حکومت سے برطانوی انشورنس کمپنیوں کے وہ آٹھ کروڑ روپے اپنے ساتھ لے گئے جو وہ گذشتہ چار سال سے بھٹو حکومت سے اپنی انشورنس کمپنیوں کے قومیائے جانے کے عوض طلب کر رہا تھا۔ اسی طرح ہندوستان کی حکومت نے بھی اسی عبوری حکومت سے اپنی پہلی فرصت میں سلال ڈیم کا معاہدہ کرنے میں کوتاہی سے کام نہیں لیا۔ جب کہ گذشتہ سال بھارتی وزیر خارجہ باجپائی نے اپنے دورۂ پاکستان کے دوران کشمیر کے مسئلے پر مذاکرات کے بارے میں یہ جواب دے کر بات ٹال دی کہ پاکستان میں عبوری حکومت ہے لہٰذا فی الحال اس مسئلے پر فوری مذاکرات نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ اس صورتِ حال میں موجودہ عبوری حکومت ری پروسیسنگ پلانٹ کے مسئلے پر بھی امریکی دباؤ کا کوئی خاص مثبت انداز سے مقابلہ نہیں کر سکی۔ اس سلسلے میں صرف گذشتہ ایک ڈیڑھ ماہ میں نہ صرف حیرت انگیز بلکہ مضحکہ خیز باتیں سننے میں آئیں۔ جنرل ضیاالحق بارہا اس بات کا اعلان کرتے رہے ہیں کہ ہم ایٹمی پلانٹ ہر قیمت پر خریدیں گے۔ لیکن گذشتہ دنوں ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے پہلی بار انکشاف کیا کہ فرانس کے صدر ولیستان نے انہیں جو خط لکھا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ موجودہ حالات میں فرانس ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے معاہدے کی تکمیل کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن اس سلسلے میں انہوں نے ان حالات کا ذکر نہیں کیا جس کی وجہ سے فرانس اس معاہدہ کی تکمیل کرنے سے قاصر ہے اور نہ ہی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے فرانس کے ساتھ ایٹمی پلانٹ کے معاہدے کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی "مثبت" کوششوں کا تذکرہ کیا۔ اس سے چند روز قبل امریکہ نے پاکستان کی نام نہاد اقتصادی امداد بند کرنے کا اعلان کیا۔ جس پر پاکستان کے دفتر خارجہ نے ایک پریس نوٹ میں کہا کہ امریکی امداد دراصل گذشتہ سال اپریل سے بند ہے لیکن امریکی حکومت کے پریس نوٹ میں گذشتہ سال ستمبر سے امداد کی ترسیل پر پابندی کا ذکر کیا گیا تھا۔ دونوں حکومتوں کے پریس نوٹ میں اس تضاد بیانی کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما ہیں اور اس سلسلے میں کون کس کے دامن کو صاف کر کے پیش کرنا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان کے عوام کی سمجھ سے باہر ہے لیکن پھر چند ہی روز میں وائٹ ہاؤس کے سرکاری حلقوں نے اس بات کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ امریکی امداد کے ایک محدود حصے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ اور پاکستان کے ترقیاتی منصوبوں کے لئے امریکی امداد کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا۔ دوسری جانب پاکستان کو فوجی ہتھیاروں کی فراہمی کے لئے بھی یہ شرط رکھی گئی کہ اگر پاکستان فرانس سے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ خریدنے کا سودا منسوخ کر دے تو امریکہ پاکستان کو کسی حد تک اسلحہ فراہم کرے

## سانحہ چھاچھرو سے چادر اور چہار دیواری کے وعدے کی قلعی کھل گئی

**جام ساقی**

سندھ ہاری کمیٹی کے رہنما جام ساقی نے چھاچھرو تحصیل میں خواتین کے ساتھ پولیس کی بدسلوکی، نواب شاہ میں خواتین کے ساتھ بدتمیزی صحافیوں اور ان کی حمایت کرنے والے ہاریوں، مزدوروں اور طلباء پر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی جانب سے تشدد اور انعام کے طور پر دی جانے والی زمینوں کے خلاف جدوجہد کرنے والے ہاری رہنما ماندل شر پر مظالم کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ اکا دکا واقعات نہیں ہیں بلکہ ایک طرزِ حکومت ہے۔ عوام اب انتخابات کے وعدے کی طرح چادر اور چہار دیواری کی حفاظت کے وعدے کی اصلیت کو بھی اچھی طرح جان چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ظلم، تشدد اور انسانیت سوز طریقۂ واردات پر عمل کرنے والوں کو آتنا اور ایسا ہی تشدد کرنا چاہیئے جو وہ خود برداشت کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔ کیونکہ حالات بتا رہے ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب پاکستان کے محنت کش عوام ملک کی باگ ڈور سنبھال لیں گے۔

گا۔ اور اس بات کا اعلان بھارت میں امریکی سفیر رابرٹ گوہین نے کیا۔ جو مقامی اخبارات میں ۲۶ اگست کو شائع ہوا جب کہ وائس آف امریکہ نے ۲۴ اگست کو اپنی خبروں میں فرانس کی جانب سے پاکستان کو ایٹمی پلانٹ فراہم کرنے کا دو سال پرانا معاہدہ منسوخ کر دینے کی اطلاع دی۔ اس سلسلے میں پاکستان کی وزارتِ خارجہ کسی قسم کا تبصرہ کرنے کی بجائے غالباً مصلحت پسندی سے کام لے رہی ہے اور عوام کو تاریکی میں رکھ کر یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ حکومت فرانس اس معاہدے کو منسوخ کرنا چاہتی ہے لیکن فرانس کے سیاسی حلقوں کے مطابق ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے معاہدے میں پاکستان کی عبوری حکومت نے خود عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے گذشتہ سال ۵ جولائی کے فوراً بعد فرانسیسی ماہرین کو جو پلانٹ کی تنصیب کے سلسلے میں پاکستان بھیجے گئے تھے، انہیں واپس بھیج دیا۔ اور اس پروجیکٹ پر کام روک دیا گیا۔ ان حلقوں کے مطابق فرانس ایک خود مختار ملک ہے اور وہ کسی بیرونی دباؤ کے آگے گھٹنے ٹیک کر اور اس طرح معاہدے منسوخ کر کے عالمی برادری میں اپنے قومی وقار کے منافی اقدامات کو ترجیحات نہیں دے سکتا۔ اس سلسلے میں ان حلقوں نے گذشتہ سال جون میں فرانس کی وزارتِ خارجہ کے اس پریس نوٹ کا ذکر بھی کیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ فرانس پاکستان کو ایٹمی پلانٹ کی فراہمی کا وعدہ ہر قیمت پر پورا کرے گا۔

لیکن گذشتہ سال ۵ جولائی کے بعد سے ایٹمی پلانٹ کے معاہدے کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور عبوری حکومت نے اس مسئلے کو اپنی پالیسی میں اولین ترجیح نہیں دی بلکہ غیر ضروری معاملات کو اچھالا۔ جو کہ پاکستان کو جدید ٹیکنالوجی میں پیچھے رکھنے کے لئے ایک بہترین ہتھکنڈے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اس سال عبوری حکومت نے قومی بجٹ میں بھی ایٹمی پلانٹ کے لئے کوئی رقم مقرر نہیں کی جب کہ گذشتہ سال کے بجٹ میں اس پلانٹ کے لئے ۴۰ کروڑ روپے مقرر کئے گئے تھے اور ایٹمی پروگراموں کے لئے ۵۵ کروڑ روپے رکھے گئے تھے۔ جس میں چشمہ کے قریب ایٹمی کمپلیکس بنانے کا منصوبہ بھی شامل تھا۔ اس طرح موجودہ عبوری حکومت کی ایٹمی پلانٹ کے سلسلے میں عدم دلچسپی واضح ہو جاتی ہے۔ اخباری نمائندوں کے سوالوں کے جواب میں صرف یہ کہہ دینا کہ پاکستان ایٹمی پلانٹ ہر قیمت پر خریدے گا۔ صرف عوام کو تسلی و تشفی دینے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، ورنہ موجودہ عبوری حکومت اس سلسلے میں اپنے اقدامات سے عوام کو آگاہ کرے۔ لیکن ایسی حکومتیں جو اپنے آپ کو عوام کے سامنے جوابدہ نہیں سمجھتی ہیں وہ ہمیشہ بھرپور بیرونی سیاسی دباؤ کے آگے گھٹنے ٹیک دیا کرتی ہیں۔ کیونکہ انہیں بین الاقوامی سیاسیات کے ماہرین کمزور ترین حکومتیں تصور کرتے ہیں۔

فرانس کے ساتھ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کا معاہدہ جناب بھٹو کی اعلیٰ ڈپلومیسی کا نتیجہ تھا۔ جس میں انہوں نے تقریباً چار سال کے انتھک مذاکرات کے بعد کامیابی حاصل کی تھی۔ لیکن چونکہ موجودہ حکومت بھٹو دور کے ہر کارنامہ پر بلڈوزر پھیرنے کا تہیہ کئے ہوتے ہے۔ لہٰذا اس کے نزدیک یہ معاہدہ بھی جناب بھٹو نے قومی مفاد کی بجائے غالباً اپنی شخصیت کو ابھارنے کی غرض سے کیا ہوگا۔

ایٹمی پلانٹ کے مسئلے پر جہاں مارشل لاء حکومت کوئی ٹھوس موقف اختیار کرنے میں ناکام رہی۔ وہاں ملک کے سیاستدانوں نے بھی اس قومی مفاد اور قومی وقار کے مسئلے پر اپنی مصلحت پسندی کا ثبوت دیا۔ ان سیاستدانوں کے نزدیک نہ تو قومی مفاد کوئی معنی رکھتا ہے۔ اور نہ ہی قومی وقار کی کوئی اہمیت ہے یہ تمام سیاستدان جو ۷ مارچ کے انتخابات میں دھاندلیوں کا الزام عائد کر کے دوبارہ فوری انتخابات کو ملک کے عظیم تر مفاد میں قرار دیتے تھے اور یہی سیاستدان یکم اکتوبر کو انتخابات فوری طور پر ملتوی کر دینے کو ملک کے عظیم تر مفاد میں قرار دینے لگے۔ اسی طرح بلوچستان میں فوج کی موجودگی کو ملک کے مفاد کے منافی قرار دیتے تھے۔ لیکن آج مارشل لا اور فوج کے اقتدار میں موجودگی کو ملک کے مفاد میں بہتر قرار دے رہے ہیں اور خود بھی یہ کہہ کر اقتدار میں شریک ہو گئے کہ یہ فیصلہ ملک کے عظیم تر مفاد میں کیا گیا ہے۔ لہٰذا ایسے ہی سیاستدانوں نوکر شاہی اور غیر سیاسی قوتوں نے نہ صرف بیرونِ دنیا پاکستان کے امیج کو نقصان پہنچایا ہے بلکہ قومی وقار کو بھی تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

●●●

آپ اسے جو چاہیں نام دیں، اسے اتفاقی امر کہیں یا سوچا سمجھا اقدام، کہ جب کبھی میں، خان عبدالولی خان، یا عطاء اللہ مینگل پنجاب کا دورہ کرتے ہیں تو پاکستان کے ذاتی مفادات رکھنے والوں کے وظیفہ خوار دانشور حلقے فوری مسلم اخوت، نظریۂ پاکستان، مسلم قوم، پاکستان کی سالمیت وغیرہ وغیرہ کو خطرہ لاحق ہونے کا شور و غوغا بلند کرتے ہیں اور اس طرح عوام کو غلط راستے پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ماضی میں کئی موقعوں پر پاکستان کی سالمیت کی علمبردار اس خود ساختہ ٹولی نے مجھ پر "نظریۂ پاکستان مسلم اخوت وغیرہ کی مخالفت کرنے کا الزام لگایا ہے۔ اور مجھے پاکستان کو توڑنے کی خواہش کا مجرم گردانے کی حد تک جانے میں جھجک محسوس نہیں کی۔ میری قومیتوں کے حقوق کی مسلسل وکالت کو مفاد پرستوں کے اس ٹولے کی طرف سے بری طرح مسخ کیا گیا ہے اور اس کا رشتہ پاکستان توڑنے کی سازش سے جوڑا گیا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ایک ایسا مضبوط اور متحد پاکستان جس میں وفاق کی تشکیل کرنے والی چاروں اکائیوں کے عوام باہمی اعتماد، محبت، خیر سگالی اور ایک دوسرے کو سمجھتے ہوئے رہ سکیں ان لوگوں کو پسند نہیں ہے۔ ایسا پاکستان ان مفاد پرست

نمائندہ خصوصی

**نظریہ پاکستان**

**مسلم قوم**

**بزنجو کا موقف**

### اسلام قوموں اور قومیتوں کی نفی نہیں کرتا

# وفاق کی اکائیوں کو سیاسی اور معاشی حقوق سے محروم کرنا ناقابل معافی جرم ہے

## دین، مقام، رنگ اور نسل سے ماورائے ہے قوم کی نسل، مقام، زبان وغیرہ سے تشکیل ہوتی ہے

حلقوں کی تسلط کی حیثیت کو نقصان پہنچائے گا جن کی نمائندگی یہ حاشیہ بردار کرتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھوں اس ملک کے عوام کے استحصال کا خاتمہ کر دے گا۔ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اگر اور جب بھی ایسی پاکستانی قوم وجود میں لانے کی اجازت دی گئی جس کی بنیاد مختلف علاقوں کے عوام کے مفادات کو یکجا کرنے پر ہو اور ان اختلافات اور تضادات پر قابو پا لیا جاتا ہے جو اس ٹولے نے اپنے مفادات کو جاری رکھنے کے لئے پیدا کئے ہیں، تو وہ ان کے اچھے دنوں کا اختتام ہوگا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے ذاتی مفادات اور وہ اقتدار جو انہوں نے دوسروں پر قائم کر رکھا ہے۔ وہ عوام کے مشترکہ مفادات اور اجتماعی طاقت کے وزن سے پچک جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر طریقے سے اس تنہا آواز کو خاموش کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

میں قطعیت کے ساتھ یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ "قومیت" کی اصطلاح سے میری کیا مراد ہے۔ اور میرے خیال کے مطابق قومیتوں کے حقوق کیا ہیں۔ میری رائے میں قومیت سے مراد ہے :۔

ایک مخصوص جغرافیائی علاقے میں رہنے والے لوگ، اپنی ایک علیحدہ زبان، روایات، ثقافت اور تاریخ تخلیق کی اور انہیں پروان چڑھایا ہو۔ جب میں قومیتوں کے حق اور ان کی ضمانت کی بات کرتا ہوں، تو میرا مطلب پاکستان کے مختلف علاقوں میں بسنے والے، جو پاکستان کے اصل جسم و جان ہیں، کے حقوق و مفادات، اقدار، خصوصیات اور مخصوص طور پر طریقوں کو محفوظ رکھنے اور فروغ دینے کی ضمانت ہوتا ہے۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے سماجی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی حقوق اور تاریخی روایات، وفاق پاکستان کے ڈھانچے کے اندر کے بارے میں میرے خیالات کو کوئی کیوں علیحدگی کی تبلیغ کے مترادف تصور کرے، جب تک کہ وہ تاریخ، جغرافیہ اور ہمارے ملک کے موجودہ حالات کے احساس سے عاری نہ ہو یا وہ شعوری طور پر حقائق کو توڑنے مروڑنے والا نہ ہو، جب میں پاکستان کے مختلف علاقوں کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور انہیں فروغ دینے کی بات کرتا ہوں تو میرے سامنے ساتھ ساتھ ان اختلاف اور تضادات کا حل، جنہوں نے ان کے درمیان تعلقات کو مسموم کر رکھا ہے، اور افتراق پیدا کرنے والے رجحانات کا خاتمہ بھی ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ وفاق میں شامل اکائیوں کے عوام کے حقوق کی خلاف ورزی اور انہیں غصب کرنے کے خلاف ضمانت فراہم ہو۔ میری رائے میں یہی واحد طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم وفاق پاکستان میں شامل اکائیوں کے درمیان محاذ آرائی کو روک سکتے ہیں اور بالآخر تاریخی مدارج سے گزرتے ہوئے، صحیح معنوں میں مضبوط ایک پاکستانی قوم کی تشکیل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

قومیتوں اور ان کے حقوق کے بارے میں میرا تصور اس کے علاوہ کچھ اور نہیں جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ یہ میرا پختہ یقین ہے کہ جب تک ہم اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے اور پاکستان کے وفاق کی تشکیل کرنے والی اکائیوں کے عوام کے حقوق کے تحفظ کا بندوبست نہیں کرتے اس وقت تک ہم ایک صحیح معنوں میں متحد اور طاقتور پاکستان کا اپنا قومی مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔

جہاں تک مفاد پرستوں کی طرف سے نظریہ پاکستان مسلم اخوت وغیرہ کے پردے میں قومیتوں کے تصور ہی کے خلاف کئے جانے والے مذموم پروپیگنڈے کا تعلق ہے تو میں اسے صداقت کو مسخ کرنے اور پاکستان کی سالمیت کی علمبرداری کا نقاب اوڑھ کر اس کی بنیادوں کو کمزور کرنے کی دیدہ و دانستہ کوشش سمجھتا ہوں۔

اوپر میں جو کچھ کہہ چکا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کی سالمیت اور اس کے عوام کی فلاح و بہبود اور وفاق میں شامل اکائیوں کے عوام کے حقوق کا انہیں عملاً مکمل خود مختاری کی ضمانت دے کر ان کے سیاسی اور اقتصادی حقوق کا تحفظ اور برقراری ہم معنی ہیں۔ وفاق پاکستان کو وفاق میں شامل اکائیوں کے حقوق کی خلاف ورزی اور ان کے غصب کئے جانے کے خلاف لازماً مضبوط ترین ضمانتیں فراہم کرنی چاہئیں۔ سوائے ان شعبوں پر حقوق کے جو مرکزی حکومت کو موثر اور خود کفیل بنانے کے لئے وفاق میں شامل اکائیاں اسے رضاکارانہ طور پر منتقل کریں۔

اب میں مسلم قوم کے تصور اور نظریہ پاکستان کی مخالفت کے مجھ پر لگائے جانے والے الزام پر بحث کروں گا۔ نظریہ پاکستان اور مسلم قوم کے خودساختہ علمبرداروں

# قرآن کی رُو سے غیر اُمتیّ بھی قوم میں شامل ہیں

کی طرف سے لگائے جانے والے اس الزام کے سلسلے میں میرا جواب یہ ہے کہ یقیناً کرۂ ارض پر مسلم قوم کہلانے والی کسی شئے کا وجود نہیں ہے اور نہ کبھی تھی اسی طرح "نظریۂ پاکستان" نام کی کسی شئے کا وجود نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ مجھ پر کسی ایسی شئے کی مخالفت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا جس کا وجود ہی نہ ہو۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام اور مسلم قوم پر بحث کرتے ہوئے ہمارے پاس قرآن مجید سے بہتر اور قابل اعتبار ذریعہ کوئی اور نہیں ہے۔ قرآن مجید میں مسلم قوم کی اصطلاح کہیں بھی استعمال نہیں ہوتی ہے۔ وجہ بہت دور تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بشرطیکہ آپ کو اس تلاش کی خواہش ہو۔

اسلام ایک آفاقی دین ہے اور یہ معنوی طور پر قوم سے وسیع اور محیط ہے۔ اس لئے اسلام کی آفاقیت کو قومی اور جغرافیائی تنگ حدود میں قید کرنا اسلام کی روح کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ ایسی غلط کوشش انہی مفاد پرست حلقوں کی جانب سے ہو سکتی ہے جنہیں اسلام کی تعلیمات سے زیادہ ان کے خود غرضانہ مقاصد عزیز ہیں۔

قرآن مجید میں جہاں کہیں بنی نوعِ انسان کا ذکر آیا ہے تو "انسان" کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے اور جب مسلمانوں کا ذکر ہوا ہے تو انہیں "ملت" یا "امت" کے الفاظ سے مخاطب کیا گیا۔ یہ دونوں ادارے قومی ادارے نہیں بلکہ کثیر القومی ادارے ہیں۔ بلاشبہ قرآن مجید جب ظہورِ اسلام سے پہلے کے مذاہب کا حوالہ دیتا ہے تو "علاقائی" اور "قومی" مذاہب کا بھی ذکر کرتا ہے۔ قرآن مجید اس مسئلے پر بالکل واضح ہے جب وہ اس عہد کے پیغمبروں کے پیروکاروں کا ذکر "قومِ نوح"، "قوم عاد"، "قومِ ثمود"، "قومِ لوط" وغیرہ کے الفاظ میں کرتا ہے۔ ہمیں ایک اہم نکتے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ان اقوام کی شناخت قائم کرتے ہوئے ان پیغمبروں کی طرف سے جس مذہب کی تبلیغ کی جاتی تھی ان کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے درمیان کوئی تفریق یا امتیاز ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں موخرالذکر کو کسی خاص پیغمبر سے موسوم ہونے والی قوم کے دائرے سے خارج نہیں کیا گیا تھا۔ وہ اس پیغمبر کی طرف سے تبلیغ کئے جانے والے مذہب کو رد کرنے کے باوجود قوم کا ایک جزو اور حصہ تھے۔

قرآن مجید میں بنی نوعِ انسان کو دو متوازی گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے گروہ کی بنیاد نسل ہے اور دوسرے کی اعتقاد۔ پہلا گروہ، شعوب (قبیلے کی شاخ) قبائل اور قوم پر مشتمل ہے جب کہ دوسرا "ملت" اور "امت" پر مشتمل ہے ہر دو درجہ بندیاں جداگانہ خطوط پر چلتی ہیں۔

"نسل" کی بنیاد پر گروہ بندی لازماً قومی ہے۔ اس کا انحصار وقت، مقامِ جغرافیائی حدود اور تاریخ پر ہے اور ان کی طابع ہے اور اپنی مخصوص وضع، درجہ اور خصوصیت رکھتی ہے۔ لیکن اعتقاد کی بنیاد پر دوسری گروہ بندیاں "امت" اور "ملت" کثیر القومی ادارے ہیں اور جغرافیائی حدود پر منحصر یا ان کے تابع نہیں ہیں "امت" یا "ملت" کی تشکیل کرنیوالوں کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ مشترکہ زبان، حدود، رسوم روایات یا تواریخ رکھتے ہوں تاکہ وہ ان اداروں میں شمولیت اختیار کر سکیں۔ ان کی بے شمار مختلف نوعیتوں، اور رنگ، نسل،

---

**نظریہ پاکستان کے**

**نام پر تباہی کے**

**راستے پر چلنے**

**سے گریز کیا جائے**

---

زبان، تاریخ، جغرافیہ، رسوم اور روایات کی رنگا رنگی کے باوجود وہ "امت محمدیہ" یا "ملتِ اسلامیہ" کا جزوِ لاینفک ہیں۔

مثال کے طور پر ترکوں، مشرقِ وسطیٰ کے ایرانیوں اور عربوں، جنوبی ایشیا کے افغانوں اور پاکستانیوں، جنوب مشرقی ایشیا کے بنگلہ دیشیوں اور انڈونیشیائیوں کو لیجیئے یا افریقہ کی مختلف اقوام کو لیجیئے یہ سب عقیدے کے اعتبار سے مسلمان ہیں۔ یہ سب اپنے علیحدہ قومی وجود، جس کی بنیاد ان کی جداگانہ حدود، زبانیں، ثقافتیں، تواریخ، رسوم اور روایات ہیں، کو برقرار رکھتے ہوئے مشترکہ طور پر ایک منفرد کل کی تشکیل کرتے ہیں جو "امت" ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان ہیں۔

اس طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام قوموں اور قومیتوں کی نفی نہیں کرتا۔ اس کے برعکس اسلام قوموں اور قومیتوں اور ان تمام خصوصیات کو جو انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں کو تسلیم کرتا ہے اور انہیں کثیر القومی ادارے میں "امت" میں جذب کر لیتا ہے۔ یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ قوموں اور قومیتوں کو مسلم اخوت کے مقابلے میں لا کھڑا کرنا مسلم اخوت کی بنیادوں کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔ اگر ترک، ایرانی افغان، عرب، پاکستانی، بنگلہ دیشی اور انڈونیشیائی اس لئے مسلم اخوت کا جزو لاینفک نہیں ہیں کہ وہ اپنے جداگانہ قومی تشخص، اقدار اور خصوصیات کو ترک نہیں کرتے تب مسلم اخوت کی تشکیل کرنے والے اجزاء اور عناصر کیا ہیں؟ کیا مسلم اخوت کے تصوّر کی تکذیب کرنے والے یہ لوگ اسے دیو مالائی مظہر کی سطح تک گرا نہیں رہے ہیں؟

اب "نظریۂ پاکستان" کے بارے میں۔ میں نے بارہا کہا ہے کہ یحییٰ خان کے ہنگامہ پرور دور تک نہ تو قائداعظم، نہ ان سے پہلے کسی مسلم رہنما، نہ ان کے بعد آنے والے کسی نے نہ تو اس کا ذکر کیا نہ ہی اس کی تبلیغ کی۔ اگر اس سے متعلق کوئی بات ہے جو ہمیں برصغیر کی تحریکِ آزادی یا مطالبۂ پاکستان کی دستاویزات میں ملتی ہے تو وہ دو قومی نظریہ ہے جو ہندوستان کی تقسیم کے منصوبے کے طور پر تخلیق اور اختیار کیا گیا۔ اس کا مطلب "نظریۂ" پاکستان تھا نہ ہو سکتا تھا۔

قائداعظم نے کبھی نہیں کہا کہ مسلمان ایک قوم ہیں۔ ان کے موقف کا حاصل اور مواد یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے وہ تمام خطوط اور خصوصیات حاصل کر لی ہیں جو انہیں ہندوستان کے ہندوؤں سے ممیز کرنے کے لئے کافی تھے۔ مثلاً نمایاں خصوصیات کی حامل ثقافت، تاریخ، مخصوص سماجی اور معاشی مفادات، مختلف اقدار وغیرہ، اور اس طرح اس بات کی صلاحیت رکھتے تھے کہ اپنی علیحدہ حدود میں رہیں تاکہ وہ اپنے مشترکہ مفادات کا تحفظ کر سکیں۔ اور اس حد تک ہندوستان کے مسلمان ایک علیحدہ قوم تصور کئے جائیں۔ جب "نظریۂ پاکستان" کے بڑے پنڈت قائداعظم کے اختیار کردہ موقف کی غلط تشریح کرتے اور اسے توڑتے مروڑتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے پاکستان کے وفاق میں شامل مختلف اکائیوں کے عوام کو ان کے سیاسی اور معاشی حقوق سے محروم کیا جائے اور ان کے تاریخی ورثے کو کچلا جائے تو یہ پاکستان کے خلاف ناقابلِ معافی جرم سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

"نظریۂ" پاکستان کے لئے مجنونانہ چیخ پکار مچانیوالوں

کو مشورہ دینا چاہیئے کہ وہ قرار دادِ پاکستان (لاہور۔ ۱۹۴۰ء) لاہور کانفرنس میں قائدِ اعظم کے خطبۂ صدارت یا اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں انہوں نے جو تقریر کی تھی اور مختلف مواقع پر انہوں نے جو تقریریں کیں ان کا دوبارہ مطالعہ کریں اگر وہ ایسا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر کان دھرتے ہیں تب وہ یہ کہنے کی جرات نہ کر سکیں گے کہ وہ مختلف اجزاء جو وفاقِ پاکستان کی تشکیل کرتے ہیں یعنی وفاق میں شامل اکائیاں کوئی حق نہیں رکھتیں کہ پاکستان کے وفاقی ڈھانچے وفاقِ پاکستان میں شامل اکائیوں پر مکمل خود اختیاری پر عمل پیرا ہوں اور یہ کہ وہ یہ دعویٰ کرنا چھوڑ دیں کہ وہ علیحدہ زبانیں، ثقافتیں تاریخ، رسوم اور روایات کے حامل ہیں کہ وہ سیاسی اور اقتصادی حقوق رکھتے ہیں اور یہ کہ یہ حقوق ناقابلِ تحریف ہیں اور وفاق پر جس میں رضاکارانہ پسند کی بنیاد پر برابر کی شریک ہیں، ان حقوق کی حفاظت فرض ہے۔

اس لئے مجھے یقین ہے کہ اب ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کے اس لا حاصل عمل کو، ہمیں اپنے تباہ کن نتائج سے دوچار کرنے سے پہلے ختم ہو جانا چاہیئے۔ آیئے ہم ایک ٹھنڈی اور غیر جذباتی کوشش کریں دراس بات کا پتہ چلائیں کہ ہم ایک متحد قوم بننے میں کیوں ناکام رہے ہیں۔ نظریۂ پاکستان مسلم قوم، پاکستان کی سالمیت کے سلسلے میں ہونے والے شور و غوغا اور وہ یونٹ کے ڈریکولائی "انضمام" کے تجربے سے قطعِ نظر ہم ایک صحیح معنی میں پاکستانی قوم کی تشکیل کی سمت ایک قدم بھی بڑھانے کے قابل نہیں ہو سکے۔ اس کے برعکس ہم باہمی عدمِ اعتماد، مناقشات اور تضادات کے عارضوں میں مبتلا ہیں اور ہر گذرنے والے دن کے ساتھ اس میں ابتری پیدا ہوتی گئی ہے۔

یہ بات واضح طور پر سمجھ لینی چاہیئے کہ کوئی ایسا خیال یا ادارہ جو غیر منطقی بنیادوں پر قائم ہو بندوق کی نال پر یا تلوار لہرا کر عوام کے لئے قابلِ قبول نہیں بنایا جا سکتا۔ یقیناً ماضی میں یہ ہتھیار نو آبادیاں فتح کرنے اور انہیں لوٹنے میں بہت مؤثر رہے ہیں۔ لیکن یہ کبھی ممکن نہیں ہوا کہ طاقت کے ذریعے اتحاد اور اعتماد کے بیج بوئے جا سکیں۔ عوام کے درمیان اتحاد صرف محبت، خیر سگالی، سوجھ بوجھ اور باہمی اعتماد ہی سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ پاکستان کے حکمران اور ملک کے دانشور تاریخ کے دیئے ہوئے سبق کو نہیں بھلائیں گے اور تباہی کے راستے پر چلنے سے گریز کریں گے!

# انتخابات میں تاخیر سب سے بڑی دھاندلی ہے

## اپیلوں، قراردادوں اور افسر شاہی کی خوشامد سے مسائل حل نہیں ہوں گے

حنیف کھوکھر، جنرل سیکرٹری
سرخ پرچم مزدور محاذ پنجاب

### امریکی تسلط سے مکمل آزادی کے لئے جدوجہد کی جائے!

چند روز قبل ہمارے نمائندے نے لاہور میں سرخ پرچم مزدور محاذ پنجاب کے جنرل سیکرٹری جناب حنیف کھوکھر سے ملاقات کی اور ان سے مزدور جدوجہد کی عمومی صورتِ حال کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ اس گفتگو کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔

سرخ پرچم کی تاریخ بیان کرتے ہوئے حنیف کھوکھر نے کہا کہ یوں تو ملک بھر میں مزدوروں کی اور تنظیمیں موجود تھیں۔ آج سے پانچ سال قبل سرخ پرچم خصوصی طور پر مزدوروں میں جدوجہد کا راستہ اپنانے کے لئے وجود میں لایا گیا۔ ہمارا یہ یقین ہے کہ مزدور طبقہ تعداد میں تھوڑا ہونے کے باوجود ایک بہت بڑی طاقت ہے، صرف اپیلوں، قراردادوں اور افسروں کی خوشامدوں سے ہم اپنے مسائل حل نہیں کر سکتے بلکہ اس کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے، سرخ پرچم مزدور محاذ کے وجود میں آنے کا دوسرا مقصد مزدور طبقے کو موقع پرست، پیشہ ور مزدور لیڈروں کے خلاف جدوجہد پر ابھارنا ہے۔ ہمارے خیال میں یہ کام مزدوروں میں نظریاتی شعور پیدا کر کے ہی انجام دیا جا سکتا ہے۔ مزدوروں میں نظریاتی شعور کی کمی ایک بہت اہم مسئلہ ہے ہم نے حتی الامکان اس کمی کو دور کرنے پر توجہ دی ہے اور اپنی ملحقہ یونینوں کو بھی اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ سرخ پرچم مزدور محاذ قائم کرنے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ ہم اپنے وطن کو صحیح معنوں میں آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ سپر پاورز ہمارے ملک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ پاکستان کی کوئی حکومت سپر پاور یا ورلڈ بینک کے دباؤ تلے ہر چند سال بعد مزدوروں کے خون سے ہولی کھیلے۔ ہم امریکی سامراجیوں کے تسلط سے آزادی چاہتے ہیں لیکن ہم امریکہ کی جگہ کسی نئے سامراج کی غلامی قبول کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔

مزدور طبقے کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ پاکستانی مزدور اس وقت شدید معاشی بحران سے دوچار ہیں۔ ایک طرف قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور دوسری طرف برطرف شدہ مزدوروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سرمایہ دار اور نوکر شاہی کو جیسے کھلی چھٹی مل گئی ہے وہ مزدور طبقے کے تسلیم شدہ اور قانونی حقوق غصب کر رہے ہیں اور جب جی چاہتا ہے بے دریغ چھانٹیاں کرتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اب ہمارا راج ہے ہم تمہیں مزہ چکھانا چاہتے ہیں ظاہر ہے جب ظہور الٰہی، مصطفےٰ گوکل، محمود ہارون، نواب ہوتی اور جنرل حبیب اللہ جیسے لوگ حکومت پر براجمان ہو گئے ہوں تو سرمایہ دار ایسی حکومت کو اپنا راج کہنے میں حق بجانب ہیں۔ یہ لوگ مزدوروں کے خلاف سرمایہ داروں کو حکومت کی حمایت کی یقین دہانی کروانے کے لئے وزارتوں پر لائے گئے ہیں۔ خود اپنے کارخانوں اور ملوں میں ان لوگوں کا کردار مزدور طبقے کے خلاف انتہائی بھیانک رہا ہے۔ اب ان اجارہ دار سرمایہ داروں کے ساتھ مذہبی اجارہ دار بھی حکومت

میں شامل ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ مذہب کے نام پر مزدور کے گلے پر چھری چلانا چاہتے ہیں۔

کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان میں ہونے والے مزدوروں کے قتلِ عام کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا، جنوری ۱۹۷۸ء میں کالونی ملز ملتان میں نہتے اور پرامن مزدوروں کا دانستہ قتلِ عام کیا گیا۔ مبینہ طور پر دو سو سے زائد مزدور ہلاک کئے گئے اور سینکڑوں زخمی کئے گئے، جب کہ مومنین کی حکومت نے سرکاری طور پر صرف ۱۷ موتوں کا اعلان کیا۔ اس کے برعکس انتظامیہ یا پولیس کا ایک آدمی بھی ہلاک نہیں ہوا۔ نہ ہی مزدوروں کے پاس سے کوئی لاٹھی یا چاقو بھی برآمد ہوا۔ مزدوروں کا یہ خون سرمایہ داروں کا حوصلہ بلند کرنے کے لئے اور مزدوروں میں خوف وہراس کی فضا پیدا کرنے کے لئے بہایا گیا۔ قومی اتحاد کے نام نہاد عوام دوست جمہوری اور اسلامی قائدین مزدور کے خون کی ارزانی دیکھ کر خاموش رہے۔ بلکہ اندرونِ خانہ انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ یہ لوگ مزدور خون کے بہنے پر اس وقت بھی خاموش رہے۔ جب ان کے سیاسی مخالف بھٹو نے لانڈھی اور کورنگی میں مزدوروں کا قتلِ عام کیا تھا۔ ان لوگوں نے مزدوروں کی چھانٹیوں پر بھی کبھی آواز بلند نہیں کی، جب کہ بھٹو دور میں برطرف ہونے والے افسروں کی حمایت میں ان لوگوں نے بیانات دے دے کر اخبارات سیاہ کر دیتے تھے۔

جناب حنیف کھوکھر نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مزدوروں پر ملتان میں ہونے والے حملے کا ہم نے مناسب جواب نہیں دیا اور مزدور احتجاج قرارداووں میٹنگوں، غائبانہ نمازِ جنازہ اور اکا دکا ہڑتالوں تک محدود رہا۔ سرخ پرچم نے اس غیر انسانی تشدد کے خلاف احتجاج میں بھرپور حصہ لیا اور جہاں کہیں ممکن ہوا ہم نے ہڑتال کی۔ ہم نے پاکستان مزدور رابطہ کمیٹی کو بھی اس سلسلے میں کامیاب بنانے کی بھی ہر ممکن کوشش کی۔

جناب حنیف کھوکھر نے کہا۔ کوڑے گرفتاریاں یہاں تک قتلِ عام بھی مزدور طبقے کی جدوجہد کو روک نہیں سکتے۔ مزدوروں کی طرف سے ملتان کے قتلِ عام کا بھرپور جواب نہ دے سکنے کی یہ وجہ نہیں کہ مزدور ڈر گئے ہیں بلکہ یہ وجہ ہے کہ مزدور تنظیمیں منتشر تھیں اور ایک حصے پر موقع پرست قیادت کا تسلط تھا۔ جن کی لیڈری کی بنیاد سمجھوتہ بازی کی سیاست پر ہے انہوں نے کہا کہ ملتان میں ہونے والے قتلِ عام، لاہور میں رستم وسہراب فیکٹری اوکاڑہ میں ستلج کاٹن ملز لاڑکانہ میں الائیڈ ٹیکسٹائل ملز میں ہونے والے ظلم وستم اور ملک گیر چھانٹیوں اور ظلم وتشدد نے مزدوروں کی جدوجہد کو کمزور نہیں کیا بلکہ آگے بڑھایا ہے۔ ان واقعات نے مزدور طبقے کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اور ان کے سیاسی شعور کو بلند کر دیا ہے۔

مزدور تنظیموں کے اتحاد کے مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ مندرجہ بالا مزدور دشمن کارروائیوں نے اتحاد کا راستہ کھول دیا ہے۔ ایک طرف مزدور کا سیاسی شعور بلند ہوا ہے اور دوسری طرف ہم اس مجبوری سے دوچار ہیں کہ اب یا تو سرمایہ داروں اور نوکر شاہی کی غلامی قبول کریں یا اپنے اتحاد کو مضبوط بنائیں اور جدوجہد کا راستہ اختیار کریں۔ تمام مزدور یونینوں اور محاذوں سے رابطے قائم کئے گئے ہیں اور بات چیت ہو رہی ہے۔ انہوں نے صحافیوں کی جدوجہد کی مثال دیتے ہوئے کہا۔ ہم نے لاہور میں صحافیوں کو ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا۔ اب کراچی میں مزدور کسان طلبہ صحافیوں کے ساتھ بخوشی جیل جا رہے ہیں۔

جاگیرداروں کے ہاتھوں پٹ فیڈر کے کسانوں کے قتلِ عام پر بھی احتجاج کرنے کے جرم میں مزدور اور طالب علم جیلوں میں سزائیں بھگت رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم نے لاہور ٹیلی ویژن کے ملازمین کی جدوجہد کی بھی بھرپور حمایت کی تھی۔ یہ سب واقعات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مزدور طبقے پر تشدد محنت کشوں کی جدوجہد کو اور محنت کشوں کے باہمی اتحاد کو آگے بڑھا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک سرخ پرچم مزدور محاذ کا تعلق ہے ہم ہمیشہ سے مزدوروں کسانوں اور طالب علموں کے باہمی اتحاد کے حامی رہے ہیں اور ہر موقع پر ہم نے عملی طور پر دوسرے محنت کشوں کی جدوجہد میں حصہ لیا ہے۔ جب ۱۹۷۵ء میں ٹوکھر میں ہونے والی دیہاتی محنت کش محاذ کی کسان کانفرنس پر پولیس تشدد اور گرفتاریاں ہوئیں۔ اس وقت بھی ہم نے کسانوں کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔

موجودہ سیاسی صورتِ حال کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے جناب حنیف کھوکھر نے کہا۔ یہ کہنا انتہائی واہیات بات ہے کہ مزدوروں کو سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ انہوں نے کہا اگر مزدوروں کو سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے تو سیاست میں حصہ کس کو لینا چاہیے؟ کیا سیاست میں حصہ لینے کا حق سرکاری طور پر صرف باوردی اور بے وردی سرکاری ملازمین، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے؟ پاکستان مزدور طبقے اور دوسرے محنت کشوں کی جدوجہد کے نتیجے میں ہی وجود میں آیا تھا کیا پاکستان کو فوج نے بنایا تھا یا انگریز سے سمجھوتہ بازی کرنے والے جاگیرداروں نے؟ انہوں نے کہا کہ موجودہ صورتِ حال اس بات کی متقاضی ہے کہ انتخابات جلد از جلد کروائے جائیں اور حکومت عوامی نمائندوں کے حوالے کی جائے۔ انہوں نے کہا انتخابات کا اعلان کرنے کے بعد اپنے دشمن کو فتح یاب ہوتے ہوئے دیکھ کر انتخابات کو سرے سے منسوخ کر دینے سے بڑھ کر اور کون سی دھاندلی ہو سکتی ہے، انہوں نے کہا کہ اخبارات کے مطابق جنرل ضیاالحق نے خود کہا ہے کہ چور دروازے سے وزارتیں لینے والے قومی اتحاد کے رہنماؤں نے اکتوبر ۱۹۷۷ء کے انتخابات سے پہلے گڑگڑا کر درخواست کی تھی کہ انتخابی مہم کو فوراً روک دیا جائے اور انتخابات کو منسوخ کر دیا جائے۔ ورنہ ان کی ضمانتیں ضبط ہونے کا امکان ہے۔

قومیتوں کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ جو غلطیاں ہمارے حکمرانوں نے بنگال میں کی تھیں اب ان کا دوبارہ ارتکاب کیا جا رہا ہے، انہوں نے کہا کہ پنجابی، پٹھان، سندھی اور بلوچ مل کر ہی پاکستانی قوم کی تشکیل کرتے ہیں۔ ہم تمام قومیتوں کو زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری دینے کی حمایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا چھوٹے صوبوں کو برابری کا درجہ دے کر ہی ہم پاکستان کے اتحاد کو مضبوط بنا سکتے ہیں۔ اسلام کی آڑ میں کسی صوبے کے عوام کو ان کے جمہوری حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے جماعت اسلامی کے جداگانہ انتخابات کے منصوبے کی بھی مخالفت کی انہوں نے کہا ایسے مسائل چھیڑ کر خود جماعت اسلامی نے تمام طے شدہ مسائل پھر سے کھڑے کر دیتے ہیں۔

آخر میں جناب حنیف کھوکھر نے کہا کہ ان کے نزدیک مزدوروں کے حوالے سے تین چیزیں سب سے اہم ہیں۔ مزدور تنظیموں کا باہمی اشتراکِ عمل واتحاد، جدوجہد کا راستہ اور مزدوروں میں شعور کی بلندی ❁

# صدرِ مملکت کا اصرار ہے کہ ......
# فوجی حکومت چاہتی ہے کہ ......

**ذوالفقار حیدری**

مارشل لا حکومت آج کل سخت پریشان ہے۔ ملک کے آئینی سربراہ صدرِ مملکت جناب فضل الٰہی چودھری کا اصرار ہے کہ وہ غیر محدود مدت کے لئے صدر کے عہدے پر فائز نہیں رہنا چاہتے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اوّل تو یہ آئین کی روح کے منافی ہوگا۔ دوسرے یہ فوج کے اس وعدے کے خلاف ہوگا جو اس نے اقتدار میں آنے کے بعد کیا تھا اور جو اس نے سپریم کورٹ میں بھی کیا کہ وہ اوّلین فرصت میں انتخابات کرا کے واپس جانا چاہتی ہے۔ مارشل لا حکومت کو پریشانی یہ ہے کہ وہ جلد انتخابات کرانا ہی نہیں چاہتی اس لئے وہ صدرِ مملکت کے عہدے کے لئے کسی موزوں شخص کی تلاش میں ہے کیونکہ اگر جلد انتخابات کرانا مارشل لا حکومت کا مطمحِ نظر ہوتا تو صدرِ مملکت کو یہ بات کہنا ہی نہ پڑتی۔ ہم نے طب نہیں پڑھی کہ ڈاکٹر نہیں مزدور ہیں البتہ مختلف امراض کے بارے میں ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کینسر ایسا مرض ہے کہ جو لاعلاج بھی ہے اور اس طرح پھیلتا ہے کہ پھوٹنے کے بعد مرض کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی جڑیں انسانی جسم میں بہت گہری ہوتی ہیں۔ اب ریسرچ سے ثابت ہوا ہے کہ صرف یہی نہیں اقتدار کا مرض بھی کینسر کی طرح پھیلتا بڑھتا، پھلتا پھولتا اور جڑیں بکھیرتا چلا جاتا ہے اس حد تک کہ ناقابلِ علاج ہو جاتا ہے اور اس کے لئے ایک بڑا آپریشن کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب کو اگر اقتدار میں آنے کے بعد اپنی پہلی پریس کانفرنس یاد ہو تو ایک اخبار نویس نے ان سے کہا تھا کہ آپ اپنے ہاتھ پاؤں پھیلاتے جا رہے ہیں آپ کا ارادہ جلد انتخابات کرانے کا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں تو یاد ہے کہ ٹی وی نے یہ حصّہ بطورِ خاص دکھایا تھا کہ جنرل صاحب گرمی کھا گئے تھے انہوں نے بڑے وثوق سے خدا کو حاضر ناظر جان کر کہا تھا کہ وقت بتائے گا کہ وہ اپنے وعدے پر کس قدر پکے ہیں اور جب وہ ۹۰ روز بعد انتخابات کرا کے واپس جائیں گے تو سب کو حیرت ہوگی۔ انہوں نے اخبار نویس کو ڈانٹا بھی تھا۔ ہمیں یہاں ایک حکایت یاد آ گئی۔ ایک عورت عدالت میں پیش ہوئی تو جج نے کہا حلف اٹھا کر کہو کہ جو کہو گی سچ کہو گی۔ عورت سے عمر پوچھی گئی تو اس نے کہا ۲۰ سال کچھ ماہ۔ جج نے پوچھا کتنے ماہ۔ عورت نے بھولپن سے کہا

۲۰ سال ۲۰۰ مہینے، کچھ یہی احوال ہمیں نوّے روز کی بات کا بھی لگتا ہے کہ انہوں نے ۹۰ روز تو کہہ دیے مگر اس سے پہلے سال اور مہینے نہیں بتلائے۔ خدارا اب تو بتا دیں کہ ۹۰ روز کے ہمراہ کتنے سال اور مہینوں کا پروگرام ہے۔ ویسے اگلا سال وثوق سے سنا ہے کہ الیکشن کا سال ہے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ سب ہمارے ساتھ کہیئے آمین ثم آمین۔ کہ اگر سربراہِ حکومت پر سے اعتبار اٹھ جائے تو بڑی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ خدا ہمیں ان خرابیوں سے محفوظ رکھے۔ پھر کہیئے آمین ثم آمین۔

پاکستان پیپلز پارٹی (بھینسی گروپ) کے کنوینر حیات محمد خان عرف کوثر نیازی نے لاہور میں ارشاد فرمایا ہے کہ دخترِ پاکستان مس بے نظیر بھٹو نے ان سے کہا تھا کہ وہ ان کی اور مارشل لا حکومت کی مصالحت کرا دیں، اور جب انہوں نے (مولوی بھینسی نے) یہ کام نہیں کیا بے نظیر بھٹو ناراض ہو گئیں۔ نام نہاد مولانا کا یہ بیان خود ان کے سابقہ بیانات کی تردید کرتا ہے ان کا اب تک موقف یہی رہا ہے کہ بیگم نصرت بھٹو مس بے نظیر اور ان کے ساتھی مارشل لا حکومت سے تصادم کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ جب کہ وہ یہ صورتحال پسند نہیں کرتے۔ اب انہیں اچانک خواب میں پتہ چلا کہ دخترِ پاکستان نے درخواست کی کہ وہ ان کی جنرل ضیاء الحق اور ان کے ساتھیوں سے مصالحت کرا دیں۔ اگر مس بے نظیر اور ان کے ہمراہی مارشل لا حکومت سے تصادم کی پالیسی پر عمل کر رہے تھے تو مولانا بھینسی اس وقت یہ کہتے کہ میرے ذریعے صلح کی بات ہو رہی ہے اور ادھر یہ کام ہو رہا ہے۔ ہمیں تو خیر یقین ہے ہی مگر دوسروں کو بتانے اور ریکارڈ درست رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ بتا دیا جائے وہ کبھی بھی پیپلز پارٹی کے جانثاروں کے اس قدر بااعتماد نہیں ہو سکے کہ ان پر ذرا بھی اعتماد کیا جا سکتا اور انہیں اس قدر زیادہ اعتماد میں لیا جائے کہ ان کے ذریعے مصالحت کی بات چیت ہو، ہمارا یہ دعویٰ مولانا کے پیپلز پارٹی میں قیام کے تمام دور پر محیط ہے اور اس کی تصدیق جب چاہے پارٹی کے کسی بھی

جانثار کارکن یا لیڈر سے کی جا سکتی ہے۔ بلکہ انہیں خود اس کا بخوبی علم ہے اور اپنی حیثیت کا بھی کہ ان کی حیثیت چیئرمین مسٹر بھٹو کی نظر میں کیا تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ انسان ہونے کے ناطے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو میں تعریف سے نرم ہونے کی عادت زیادہ ہی تھی۔ اسی لئے ان جیسے کاسہ لیس کو بھی آخر وقت تک ساتھ رکھا گیا۔ وہ اپنی حیثیت اس بات سے متعین کر لیں کہ جب جناب بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو ان کے تمام قریبی ساتھی یا تو وزارت میں شامل ہوئے یا گورنر مقرر ہوئے مگر وہ واحد شخص تھے جو سکریٹری اطلاعات ہونے کے باوجود وزارت اطلاعات کے مستحق بھی قرار نہ پائے۔ جب انہوں نے جبیں سائی کی حد کر دی تو پھر کہیں مشیر اطلاعات مقرر کر دیا گیا۔ انہوں نے پہلا کام یہ دکھایا کہ مسٹر حفیظ پیرزادہ کے خلاف کام شروع کر دیا اور انہیں اس عہدے سے ہٹوا دیا۔ بہر حال ہم تو اس تمام بات کے بعد یہی بڑک کے جواب میں کہتے ہیں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت

مولوی بھینسی گ ہی قبیل کے کسی سرکاری افسر کو خواب آیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے عیدالفطر کے موقعہ پر تخریب کاری کا پروگرام بنایا تھا جو عید پر ناکام ہو گیا البتہ پمفلٹ چھپوا کر قبرستانوں میں پھینکوا دیئے گئے تھے۔ اس سرکاری افسر نے ایک خبر گھڑی اور ملک کے تمام اخبارات میں شائع کرا دی۔ یہ خبر اخبارات کے رپورٹروں کے کریڈٹ سے شائع ہوئی ہے۔ ہوا یوں کہ خبر رساں ایجنسی اے پی پی سے خبر جاری کرا کے اخبارات کو ہدایت کی گئی کہ اسے اپنے نمائندوں اور رپورٹرز کے حوالے سے شائع کریں۔ یہ بات ہم اس دلیل کے ساتھ کر رہے ہیں کہ اول تو ہمیں ساری بات معلوم ہو ہی گئی دوسرے یہ کہ ایک اخبار نویس کے خیالات دوسرے سے نہیں ملتے۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ دو انسانوں کی تحریر ایک جیسی نہیں ہو سکتی کجا یہ کہ الفاظ کا استعمال فقرے اور پوری خبر ایک ہی جیسی ہو سوال یہ ہے کہ اگر آزادئ صحافت کے اس دور میں اخبار نویسوں کے خیالات میں اس قدر ہم آہنگی ہے تو اس کا اظہار صرف اسی ایک خبر کے ضمن میں کیوں ہوا ہے جواب یہ ہے اس لئے کہ خبر ہی اصل میں ایک ادارے اور ایک جگہ ہی سے جاری ہوئی ہے۔

## جماعت اسلامی تدفین کیلئے اور پیپلز پارٹی خون دے کر زندہ رکھنے کے لئے

پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے رمضان المبارک میں سبزی منڈی کی صفائی کر کے ایک طرف جہاں اپنے 'بقید حیات' ہونے کا ثبوت دیا تھا، وہیں، عید کے موقعہ پر ان کی طرف سے غریبوں اور نادار مریضوں کو خون کا عطیہ دینے کی پیشکش ان کے رو بصحت ہونے کی علامت تھی۔ ان گناہ گار آنکھوں نے یہ بھی دیکھا کہ جب پیپلز پارٹی کے کارکن خون کا عطیہ دینے کیلئے بڑی تعداد میں سول اسپتال پہنچے تو وہاں بھگدڑ کا سماں پیدا ہو گیا۔ ایک زلزلہ سا آگیا۔ بڑے ڈاکٹر سے لے کر چھوٹے ڈاکٹر تک سب لرزتے کانپتے موجود تھے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر کہہ رہے تھے کہ ہماری ملازمتوں پر رحم کرو۔ آپ کا مقصد نیک سہی لیکن ہم سرکاری ملازم ہیں اور سرکار خون میں بھی فرق دیکھ لیتی ہے

سائیں پھر ایسا ہوا کہ کارکنوں نے، جو سردار حنیف، مسرور احسن اور دیگر مقامی رہنماؤں کی سرگردگی میں سول اسپتال گئے تھے، عملے کے ارکان کو ان کی سرکاری ملازمت میں مزید ترقی کی دعائیں دیں اور واپس چلے آئے۔ تاہم بعد میں معلوم ہوا کہ خون کے عطیات جمع کرنے کی مہم اب دوسری جگہ چلائی جائے گی۔ چند کارکنوں نے، جن سے ہماری ملاقات ہوئی تھی، کہا کہ جماعت اسلامی اگر لوگوں کی تدفین کا انتظام کرتی ہے تو ہم نے انہیں اپنا خون دے کر زندہ رکھنے اور حالات سے مقابلہ کرنے کا عزم کیا ہے اور غریبوں اور ناداروں کو خون کا مفت عطیہ دینے کی، ہماری یہ مہم ہمیشہ جاری رہے گی

ادھر وزارت اطلاعات پر جماعت اسلامی کی گرفت بتدریج مضبوط ہو رہی ہے۔ ایک حکم کے ذریعے عبوری فوجی حکومت کے وزیر اطلاعات نے جن کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے۔ ٹیلی ویژن کی خاتون اناؤنسروں کو سبکدوش کرنے کا فیصلہ کیا ہے واضح رہے کہ ان اناؤنسروں اور ٹیلی ویژن پر آنے والی دیگر لڑکیوں کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے "چڑیوں" کا خطاب دیا تھا اور بڑے فخر سے کہا تھا کہ اب مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ چڑیاں کہاں گئیں؟ تاہم ان کے اس بیان کے بعد بھی چڑیاں اپنی جگہ برقرار رہی تھیں اب یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کے سر دوپٹے سے ڈھکے ہوئے تھے لیکن محمود اعظم فاروقی کے فیصلے کے بعد چڑیاں، دوپٹوں سمیت 'اڑ'، جائیں گی۔ سنا ہے کہ اس فیصلے کی اطلاع جب ان 'چڑیوں' کو ہوئی تو انہوں نے برقعے پہن کر رات کی تاریکی میں محمود اعظم فاروقی کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اس کے بعد جو کچھ بات چیت ہوئی وہ ہم گھٹ میں گھٹ، من وعن دوہرا نہیں سکتے، لیکن اتنا ضرور بتا سکتے ہیں کہ محمود اعظم فاروقی نے ان 'چڑیوں' کی کفالت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ اگر آپ کی کفالت کے لئے گھروں میں مرد نہیں ہیں تو اس کا ذمہ دار میں نہیں ہوں۔ اور اگر آپ کے گھروں میں مرد ہیں تو آپ کی کفالت کے وہی ذمہ دار ہیں۔ ٹیلی ویژن ہی کی دوسری خبر یہ ہے کہ مزاروں پر ہونے والے عرس وغیرہ کی تقریبات کی فلمیں دکھانا سختی سے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں جو فیصلہ کیا گیا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ یہ ایک بدعت ہے اور اس کے فروغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ کیا فرماتے ہیں جمعیت علمائے پاکستان کے علمائے دین اس مسئلے کے؟

جہاں تک گانوں اور دیگر انگریزی پروگراموں کا تعلق ہے۔ جمعیت علمائے پاکستان کے رہنما سختی سے ان کے خلاف ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہماری اطلاع کے مطابق ٹیلی ویژن کے پروگراموں کے اوقات میں کمی کا فیصلہ کیا گیا ہے اور ہفتہ پندرہ دن میں جو
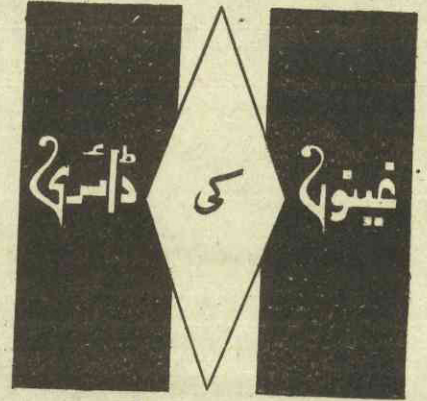
خون کا عطیہ، مقصد نیک سہی لیکن ہماری ملازمتوں کا خیال کرو

فینو کی ڈائری

# جماعتی وزیرِ اطلاعات اور فوجی سیکرٹری اطلاعات میں ٹھن گئی

اردو فلم دکھائی جاتی تھی، وہ بھی بند کر دی گئی ہے جو یقیناً اچھے فیصلے ہیں لیکن ہم گانوں، انگریزی پروگراموں اور اردو ڈراموں کو بھی بند کرنے کے حق میں ہیں۔ جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات جناب ظہور الحسن بھوپالی نے اپنی گزشتہ روز کی پریس کانفرنس میں، ذرائع ابلاغ سے فحاشی اور عریانی کا خاتمہ کرنے میں لیت و لعل سے کام لینے پر کڑی تنقید کی اور کہا کہ جماعتی وزیر اطلاعات کے رویئے اور پیپلز پارٹی کے وزیر اطلاعات مولانا کوثر نیازی کے رویئے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ انہوں نے جمعیت کے اس موقف کو پھر دوہرایا کہ جماعت اسلامی نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے معاملے میں مخلص ہے تو ۲۴ گھنٹے میں نافذ کر سکتی ہے لیکن اس کے لئے خلوص نیت ضروری ہے

دوسری طرف جماعت اسلامی کے وزیر اطلاعات اور فوج کے سیکرٹری اطلاعات لیفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن کے درمیان نفسیاتی جنگ شروع ہو چکی ہے۔ اطلاعات ہیں کہ ابلاغ عامہ کے ذرائع سے متعلق جماعتی وزیر نے جو فیصلے کیے ہیں، ان کے خلاف ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے آزاد خیال حکام نے سیکرٹری اطلاعات کے سامنے دبے الفاظ میں نکتہ چینی کی تھی، جس پر سیکرٹری اطلاعات کی طرف سے انہیں ہدایت دی گئی کہ وہ پریشان نہ ہوں اور اپنا کام معمول کے مطابق جاری رکھیں۔ ان ذریعوں کا کہنا ہے کہ سیکرٹری اطلاعات ہی کو پشت پناہی کے سبب ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آج بھی مخش فلمی گانوں اور رومانی ڈراموں اور کھیل کے پروگراموں کی آڑ میں سوشلسٹ ملک رومانیا کی جمناسٹ نادیہ کومینچی کو نیم عریاں حالت میں اور ومبلڈن چیمپئن شپ کی آڑ میں نیم عریاں لباس میں خواتین کو ٹینس کھیلتے دکھایا جا رہا ہے جماعتی وزیر نے جب اپنے احکامات کی خلاف ورزی ہوتے دیکھی تو اپنے ایک سورج مکھی دانشور الطاف حسن قریشی کے ہفت روزہ "زندگی" کو سیکرٹری اطلاعات کے پیچھے لگا دیا ہے اب یہ جریدہ لفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن کو "پرویزی" ثابت کرنے میں دن رات ایک کر رہا ہے۔ چنانچہ قارئین آپ جلد ہی سن لیں گے کہ یا تو وزارتِ اطلاعات محمود اعظم فاروقی سے واپس لے لی گئی ہے اور یا پھر سیکرٹری اطلاعات لفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن سبکدوش کر دیئے گئے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلم لیگ بھی ابلاغِ عامہ کے ذرائع پر جماعت کے کنٹرول سے خوش نہیں ہے۔ موخرالذکر صورت میں کسی مسلم لیگی وزیر کو یہ قلمدان دیئے جانے کا امکان ہے۔

این ڈی پی کے رہنما ان دنوں بھٹو کے بارے میں محتاط رویہ اختیار کئے ہوتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ واجہ بھٹو نے گو ہمارے ساتھ اچھے تعلقات نہیں رکھے تھے لیکن حالات کی تبدیلی کے بعد اب ہمیں احساس ہوتا ہے کہ بلوچستان میں قتلِ عام کا بھٹو تنہا ذمہ دار نہیں تھا۔ بھٹو میں لاکھ برائیاں ہو سکتی ہیں، لیکن وہ ایک سیاسی آدمی تھا اور سویلین تھا اور کوئی سویلین جو اپنے ہوش و حواس میں ہو اور با اختیار ہو۔ انسانی خون بہانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ان رہنماؤں کا یہ بھی کہنا ہے کہ بلوچستان میں قتلِ عام کا صرف بھٹو ذمہ دار نہیں تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس معاملے کو سابق مشرقی پاکستان پر فوج کشی کے پس منظر میں دیکھا جائے تو بات اور بھی

صاف ہو جاتی ہے اور ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ بعض معاملات میں بھٹو کے بھی ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔

تاہم ہمیں اگر اس سے اختلاف ہے تو اس بات پر کہ اگر اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے تو اس نے باعزت طور پر مستعفی ہونے اور اس فیصلے پر مجبور کرنے والے عناصر کو بے نقاب کرنے کو ترجیح کیوں نہیں دی۔ ذرائع ابلاغ کے ہی بارے میں ایک اطلاع ہے کہ ٹرسٹ کے اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے جماعت کی نظر میں جو لادینی عناصر ہیں۔ انہیں کلرکوں کی حیثیت سے یا دوسرے عہدوں پر مختلف محکموں میں کھپایا جائے گا۔ اور اس کے بعد ٹرسٹ توڑ دیا جائے گا۔ بندرگاہوں اور فروغ برآمدات کے وفاقی وزیر مصطفیٰ گوکل نے اسی صورت میں مارننگ نیوز، خریدنے کی پیشکش کی ہے جب کہ محنت کے وزیر چودھری ظہور الٰہی روزنامہ مشرق پر دانت لگائے بیٹھے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان ٹائمز کس کے کھاتے میں جاتا ہے۔

## ٹیلی ویژن کی کمائی آنٹی وائسرائے کی چھٹی عریاں فلموں کی نمائش پر پابندی

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (عوامی گروپ) کا چوتھا کونسل سیشن کراچی میں ۲۰ اگست تا ۲۲ اگست ۱۹۷۸ء منعقد ہوا جس میں حسب ذیل مرکزی عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ مولابخش بلوچ چیئرمین، عبدالسلام بلوچ سینئر وائس چیئرمین، محمد اکرم بلوچ جونیئر وائس چیئرمین، فدا احمد بلوچ، سیکریٹری جنرل اور وہاب بلوچ جوائنٹ سیکریٹری۔ نو منتخب اراکین کی حلف وفاداری کی تقریب سیشن کے اختتام پر اردو آرٹس کالج میں منعقد ہوئی اور ممتاز بلوچ رہنما جناب میر شیر محمد مری نے ان سے حلف لیا۔

سہ روزہ سیشن میں مختلف سفارشات کی منظوری دی گئی اور آئندہ لائحہ عمل وضع کیا گیا۔ ۳۱ قراردادیں باتفاق رائے منظور کی گئیں جن میں مطالبہ کیا گیا کہ تمام گرفتار شدہ صحافیوں، سیاسی کارکنوں، دانشوروں، مزدوروں، کسانوں اور طلبہ پر جیلوں میں تشدد اور غیر انسانی سلوک بند کیا جائے اور انہیں رہا کیا جائے، ریڈیو ٹی وی اور اخبارات پر پابندی ختم کر کے پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی نَنس منسوخ کیا جائے اور پریس ٹرسٹ کو توڑ دیا جائے پٹ فیڈر میں کسانوں پر ظلم و تشدد بند کیا جائے اور کسانوں اور ہاریوں کی بے دخلیاں بند کی جائیں۔ عدلیہ کا سیاسی مقصد کے لئے استعمال بند کیا جائے۔ بلوچستان میں موجودہ فوج کو ان کی ۱۹۷۲ء سے قبل کی پوزیشن پر واپس بھیجا جائے اور اندرون بلوچستان فوجی چھاؤنیوں اور کیمپوں کو بند کیا جائے۔ بلوچستان کے تعلیمی اور انتظامی اداروں میں فوجی افسروں کی تعیناتی بند کی جائے۔ پاکستان سینٹو اور دیگر فوجی معاہدوں سے الگ ہو جائے۔

قراردادوں میں کہا گیا ہے کہ بی ایس او (عوامی) بلوچستان میں عام معافی اور سمجھوتہ بازی پر آمادہ سیاستدانوں کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھتی ہے اور ان سیاسی بازیگروں کے بلوچ عوام اور بلوچستان کے نام کو استعمال کرنے کی مذمت کرتی ہے۔ سرداری نظام کی از سر نو بحالی کی مذمت کرتی ہے اور اس کے تحت ٹیکسوں مثلاً ششک (۱/۶)، ہفتک (۱/۷) اور چارک (۱/۴) وغیرہ کے خاتمے کے بارے میں غلط اور جھوٹے دعوؤں کو عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف سمجھتی ہے۔ بلوچستان کی مکمل صوبائی خودمختاری کا مطالبہ کرتی ہے۔ امریکی سامراج کی دنیا بھر کے مظلوم عوام کی آزادی کی تحریکوں میں مداخلت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور تمام غیر جانبدار اور سوشلسٹ ممالک سے قریبی تعلقات کی حامی ہے۔ افغانستان میں حالیہ انقلاب پر مسرت کا اظہار کرتی ہے اور قائدین انقلاب کو مبارکباد پیش کرتی ہے۔

پاکستان اور مسقط کے درمیان ہونے والے معاہدے کے تحت مسقط کی عوام کش فوج میں بلوچیوں کی بھرتی کی مذمت کرتی ہے اور بلوچی عوام کو نیک مشورہ دیتی ہے کہ وہ اس فوج میں شامل نہ ہوں جسے عوام کو عوام سے لڑانے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے بلوچیوں میں خانہ جنگی کی سازش کرنے والے عناصر رجعت پسندوں مذہبی جنونیوں اور ساداک سے شدید نفرت کا اظہار کرتی ہے جنہیں مقامی انتظامیہ کی سرپرستی حاصل ہے، اور عوام کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ ساداک جیسے عوام دشمن ادارے اور بلوچ دشمن عناصر کے تمام حربوں کو ناکام بنا دیں۔ تعلیمی اداروں خصوصاً بلوچستان یونیورسٹی اور بولان میڈیکل کالج میں سی آئی اے کی سرگرمیوں کی روک تھام کا مطالبہ کرتی ہے۔

سیشن سے خطاب کرتے ہوئے نومنتخب چیئرمین جناب مولابخش بلوچ نے کہا کہ سامراجی ایجنٹ کہتے ہیں کہ بلوچستان میں امن و امان ہے لیکن ایک سال میں متعدد مقامات مثلاً خضدار پنجگور، تربت اور مند وغیرہ میں نہتے عوام اور طلبہ پر فائرنگ کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی تنظیم ملک بھر کے صحافیوں، ہاریوں، مزدوروں، کسانوں اور طلبہ کی جدوجہد میں برابر کی شریک ہے

سابق چیئرمین جناب تاج بلوچ نے اپنی تقریر میں کہا کہ بلوچستان کی جدوجہد کو ختم کرنے یا اس کی شدت میں کمی لانے

بلوچستان میں جرائم پیشہ افراد میں اسلحہ اور روپیہ تقسیم کیا جا رہا ہے

کے لئے بعض عناصر سمجھوتے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہم ان اقدامات کی مذمت کرتے ہیں۔

سیشن کے مہمانِ خصوصی جناب میر شیر محمد مری نے اپنے خطاب میں کہا کہ وردیوں کی تبدیلی سے کوئی فرق نہیں آتا اور چہرے بدلنے سے انقلاب نہیں آتا۔ گزشتہ ۳۱ برسوں سے ملک کے ساڑھے سات کروڑ عوام سے کیڑے مکوڑوں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ مذہب کے ٹھیکیدار اور جمہوریت کے علمبردار بہت کچھ کہتے آئے ہیں لیکن حقیقت سب کے سامنے ہے۔

انہوں نے کہا کہ بلوچستان ایک لاوے کی طرح پک رہا ہے۔ فوج بدستور موجود ہے۔ جب تک ملک کے عوام حکمرانوں کو مجبور نہیں کریں گے۔ بلوچستان کے حالات میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ انہوں نے کہا کہ آج چادر اور چار دیواری کے تقدس کی باتیں کی جاتی ہیں لیکن کیا بلوچ بیٹی پاکستان کی بیٹی نہیں تھی اور کیا بلوچ ماں پاکستان کی ماں نہیں تھی؟ آج بلوچ ماؤں اور بیٹیوں کی چادر خون میں لت پت ہے اور ان کی چار دیواری کو زمین بوس کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ احتساب کی باتیں ہو رہی ہیں لیکن بلوچوں کے قتل عام پر کوئی احتساب نہیں کیا جاتا۔ افغانستان کے سابق صدر داؤد کے قتل پر پاکستان میں غائبانہ جنازہ نماز ادا کی جاتی ہے۔ لیکن بلوچستان میں قتل عام پر احتجاج نہیں ہوتا۔

جناب میر شیر محمد مری نے کہا کہ بلوچستان کے جرائم پیشہ افراد میں ایرانی ساخت کا اسلحہ اور روپیہ تقسیم کیا جا رہا ہے تاکہ ترقی پسند اور عوام دوست افراد کا خاتمہ کیا جا سکے اور اس مقصد سے باقاعدہ فہرستیں تیار کی جا رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ماضی سے بھیک مانگنے والے عوام کو شکست نہیں دے سکتے اور جاگیردار و سرمایہ دار عوامی قوت کو نہیں روک سکتے۔

انہوں نے کہا کہ بار بار مارشل لا سے ملک کو چلایا جا رہا ہے لیکن ملک کو سنگینوں کی نوک سے نہیں چلایا جا سکتا۔ قومیتوں کے حقوق تسلیم کرو۔ مزدوروں اور کسانوں کو ان کے حقوق دو۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو زمین پر بٹھاؤ اور سامراج کو دیس نکالا دو کیوں کہ اگر ہم نے تاریخ سے سبق نہ سیکھا اور تاریخ کو سبق سکھانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج سنگین ہو سکتے ہیں۔ ان حالات میں اگر ملک کا دانشور، صحافی اور طالب علم خاموش رہا تو مسائل بڑھتے جائیں گے

حلف وفاداری کی تقریب میں حسب ذیل نعروں پر مشتمل بینر آویزاں تھے۔

آمریت کا قبرستان۔ بلوچستان، بلوچستان۔ بلوچستان میں غیر ملکی فوجی اڈے اور بیرونی مداخلت بند کرو۔ بلوچستان کے اندرونی علاقوں سے فوجی چھاؤنیاں ختم کر کے فوج کو ۱۹۷۲ء کی پوزیشن پر واپس لایا جائے۔ ہم بلوچستان میں سیاسی اطاعت پسندی کی مذمت کرتے ہیں۔ بلوچستان کے عوام کی سامراج دشمن جمہوری جدوجہد زندہ باد۔ آزادی کی تحریکوں کو سرخ سلام۔ ہم افروایشیائی اقوام کی تحریک آزادی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ امریکی سامراج مردہ باد سامراجی معاہدے ختم کرو۔ مزدور کسان طلبہ اتحاد زندہ باد سرمایہ داری، وڈیرہ شاہی اور سرداری نظام مردہ باد۔

سیشن میں پیش کردہ ۲۸ نکات پر مشتمل سفارشات میں کہا گیا کہ دیگر ترقی پسند تنظیموں سے رابطے میں اضافہ کر کے تنظیم کے موقف اور بلوچستان کے حالات کی وضاحت کی جائے کارکنوں کی نظریاتی تربیت کی جائے، اور وقتاً فوقتاً ادبی اور ثقافتی اجتماعات کئے جائیں ●

---

سچل سندھی

# تحریک آزادئ صحافت برنا کی تصویر نے صدارت کی

## صحافیوں کی جدوجہد جائز، منصفانہ اور مقدس ہے

شہداد پور کے "سرحیہ باڑے" میں تحریک آزادئ صحافت کی حمایت میں مقامی صحافیوں، طلبہ، مزدوروں اور کسان کارکنوں کا ایک مشترکہ اجلاس منعقد ہوا۔ جس کی صدارت پی ایف یو جے اور ایپنک کے اسیر رہنما جناب منہاج برنا کی تصویر نے کی، جو شیشہ کے فریم میں مزین ایک ٹیبل پر اجلاس کے صدر مقام پر رکھی گئی تھی اور اس کی پشت والی دیوار پر بہت بڑا سرخ بینر آویزاں تھا۔ جس پر پی ایف یو جے اور ایپنک کے آٹھ نکاتی مطالبات تحریر تھے۔ دورانِ جلسہ حاضرین تحریک آزادی صحافت کی حمایت میں پرجوش نعرے بلند کرتے رہے۔ واضح رہے کہ مارشل لا حکام کی جانب سے محدود پیمانے پر سیاسی سرگرمیوں کی اجازت کے بعد محنت کشوں

کا اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ پہلا جلسہ تھا جس میں کارکنوں نے اپنے بھرپور طبقاتی اتحاد کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے پورے جوش و خروش سے حصہ لیا تھا۔

اجلاس سے مزدور رہنما شوکت سندھی نے خطاب کرتے ہوئے تحریک آزادیٔ صحافت کو جائز، منصفانہ اور مقدس جدوجہد قرار دیا اور کہا کہ قلم کی حرمت کے پاسبانوں نے ہر دور میں آزادیٔ صحافت کا نعرۂ مستانہ بلند کیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہر دور کے حکمرانوں نے انہیں پابند سلاسل کیا اور ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں۔ لیکن باوجود تمام سختیوں کے آزادیٔ صحافت کے متوالوں کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی اور وہ آج بھی ثابت قدم ہیں۔ انہوں نے اپنی پرجوش تقریر کے دوران صحافیوں پر ہونے والے تشدد کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ چادر اور چار دیواری کے دعویداروں نے خاتون صحافی لالہ رخ کے ساتھ بہیمانہ سلوک کر کے اپنے دعوؤں کی قلعی خود کھول کر رکھ دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج کوڑوں کے ذریعے انسانیت کی جتنی تذلیل کی جا رہی ہے ایسا کرنے کی کسی آمر کو جرأت نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے نام نہاد سول کابینہ پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ اقتدار میں آنے سے قبل نظام مصطفےٰ کا جھوٹا نام لینے والے اٹھتے بیٹھتے آزادیٔ صحافت کا راگ الاپا کرتے تھے۔ لیکن آج انہیں بھی سانپ سونگھ گیا ہے۔ انہوں نے سندھ کے انسان دوست عظیم شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی کا ایک شعر پڑھتے ہوئے کہا کہ یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ حق پرستوں کے عزائم انتہائی بلند اور ان کے جذبے ناقابلِ تسخیر ہوتے ہیں اور وہ اپنی راہ میں آنے والی صعوبتوں کا بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوئے آخرش منزلِ مقصود پر پہنچ کر ہی دم لیتے ہیں۔

شوکت سندھی سے قبل روزنامہ سندھ نیوز کے مقامی نمائندے اور شہدادپور یونین آف جرنلسٹ کے صدر جناب دلاور خان نے اپنی تقریر میں تحریک آزادیٔ صحافت پر تفصیلی روشنی ڈالی اور اسیر صحافیوں پر ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے قائدین ابتداء سے مذاکرات کے ذریعے مسائل کے حل پر زور دیتے رہے ہیں۔ لیکن حکومت کی طرف سے افہام و تفہیم کے ذریعے معاملات کو طے کرنے کی بجائے صحافیوں کو بھوک ہڑتال اور گرفتاری پیش کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جبر و تشدد کے ہتھکنڈوں سے صحافیوں کے عزائم کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ انہوں نے دورانِ تقریر صحافی خاتون لالہ رخ کی گرفتاری کے بعد ان کی شیر خوار معصوم بچی ماریہ کا اپنی ماں سے جدا ہونے پر بلکنے اور تڑپنے کی کیفیت کا ذکر کیا تو جلسہ گاہ شرم شرم کے نعروں سے گونج اٹھا۔

شہدادپور یونین آف جرنلسٹ کے جنرل سیکریٹری جناب نثار بالادی نے جو تحریک کے پہلے مرحلے پر کراچی پریس کلب میں اڑتالیس گھنٹہ کی بھوک ہڑتال کر چکے ہیں۔ خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ تحریک کارکن صحافیوں کے حقوق کی جدوجہد ہے جو اب مزدور، کسان، طلبہ اور محنت کش عوام کے غصب شدہ حقوق کی حصول کی جدوجہد بن چکی ہے اس کا کسی سیاست سے تعلق نہیں ہے۔ یہ تحریک محنت کشوں کی اپنی سیاست کے طابع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مزدور، کسان، طلبہ اور محنت کش عوام اس تحریک میں عملاً شامل ہیں اور اسکی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔ انہوں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ اسے اپنے وقار کا مسئلہ نہ بنائے اور پی، ایف یو، جے اور ایپنک کے حقیقی نمائندوں سے مذاکرات کے ذریعے مسائل کو سلجھانے پر توجہ دے۔ اجلاس سے عبرت کے تاج حیدری، صداقت کے قمرالدین ملک، مزدور رہنما مجاہد محمد ابراہیم، طالب علم رہنما محمد رحیم لاکھو اور عبدالحکیم پٹھان نے بھی خطاب کیا۔ جب کہ نوائے جنگ کے الیاس ابڑو جو کراچی پریس کلب میں اڑتالیس گھنٹہ کی بھوک ہڑتال کر چکے ہیں، نے اسٹیج سیکریٹری کے فرائض انجام دیے۔ آخر میں ایک قرارداد کے ذریعے گرفتاری پیش کرنے والے مجاہدینِ صحافت پر پولیس لاک اپ میں کئے جانے والے وحشیانہ تشدد کی شدید مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ اس سلسلہ کو فوری بند کیا جائے دوسری قرارداد میں تمام گرفتار شدہ صحافی، مزدور، کسان اور طلبہ کارکنوں کی فوری رہائی کا مطالبہ کرتے ہوئے حکومت پر زور دیا گیا کہ پی ایف یو جے اور ایپنک کے آٹھ نکاتی مطالبات کی منظوری کا بلا تاخیر اعلان کیا جائے۔ تیسری قرارداد میں مزدوروں کی چھانٹیوں اور ہاریوں کی بے دخلیوں پر سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے چھانٹیوں اور بے دخلیوں کو فی الفور بند کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ چوتھی قرارداد میں منہاج برنا کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

# تحریکِ آزادیٔ صحافت: گرفتار ہونیوالوں کی تعداد ۲۰۰ ہو گئی

## جدوجہد مستقبل کی تاریخ لکھنے میں معاون ثابت ہو گی

نمائندہ خصوصی

اپینک اور پی ایف یو جے کی مشترکہ مجلس عمل اور عوامی جدوجہد کمیٹی کی تحریک کے ۵۵ ویں روز مجاہدینِ صحافت نے لی مارکیٹ پر گرفتاریاں پیش کیں اس دستے میں ماسٹر رحیم بخش جتوئی (امروز ملتان) خلیل کھتری ایس این ایس ایف اور عبدالسلام انڑ (سندھی ہاری کمیٹی) شامل تھے کراچی پولیس آج کل شہر میں چوریوں، ڈکیتیوں اور دیگر جرائم سے منہ موڑ کر صحافیوں کی تحریک کو کچلنے کے لئے نت نئے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔ اب پیشتر سے زیادہ پولیس والے سادہ لباس میں گرفتاری پیش کرنے کے مقام پر پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے قبل ہی سے مجاہدینِ صحافت کا استقبال کرنے کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ خفیہ پولیس کی بھاری نفری پورے علاقہ کا گھراؤ کیے رہتی ہے۔ چنانچہ تحریک کے ۵۵ ویں روز جیسے ہی مجاہدینِ صحافت کی ٹیکسی لی مارکیٹ پہنچی۔ اس کے رکنے سے قبل ہی سادہ پوش پولیس والے ٹیکسی پر جھپٹ پڑے کئی اس کے بونیٹ پر چڑھ گئے۔ چند ٹیکسی کے اندر بیٹھ گئے، چند اس کی چھت پر چڑھتے لگے۔ مجاہدینِ صحافت کو ٹیکسی سے نیچے اترتے نہیں دیا گیا اور ٹیکسی کو عوام کے نعروں کے درمیان سے براہِ راست علاقہ پولیس اسٹیشن پہنچا دیا گیا۔

اس سے قبل کلری لیاری میں بھی مجاہدینِ صحافت اور وہاں جمع ہو جانے والے ہزاروں لوگوں کے ساتھ کراچی پولیس نے انتہائی بربریت اور دہشت گردی کا مظاہرہ کیا۔ اور وہاں صحافیوں کی حمایت میں نعرے لگانے والوں پر لاٹھی چارج کیا گیا اور آنسو گیس پھینکی گئی اور تقریباً چالیس سے زائد افراد نعرے لگانے کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے۔ جن میں سے چند کو فوری طور پر سمری ملٹری کورٹ سے ایک سال قید اور دس دس کوڑوں کی سزائیں بھی سنا دی گئیں۔ مساوات کراچی کے فوٹو گرافر سیموئیل مسیح کو بری طرح مارا پیٹا گیا۔ اس طرح کراچی پولیس صحافیوں کی پرامن تحریک کو جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اس کے رضا کار اب تک خود ہی گرفتاری پیش کرتے ہیں۔ انتہائی بہیمانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے دہشت گردی کا بازار گرم رکھنا چاہتی ہے۔

یومِ وفاتِ قائداعظم کے موقع پر مجاہدینِ صحافت نے چاکیواڑہ کے علاقہ میں خود کو گرفتاری کے لئے پیش کیا ان اسیروں میں لاہور کے شیر افگن اور سندھی ہاری کمیٹی کے سلیمان لنڈ شامل ہیں۔ مجاہدینِ صحافت کے اس دستے کو گرفتار کرنے کے لئے چاکیواڑہ پولیس کے انتظامات انتہائی سخت تھے۔ ان انتظامات کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ پولیس کے باوردی جوان سولہ ٹرکوں میں سوار تھے اور سفید کپڑوں میں ملبوس پولیس والے دس سوزوکیاں لے کر آئے تھے۔ پولیس اشک آور گیس اور بندوقوں سے مسلح تھی اس کے علاوہ مختلف گلیوں میں سادہ پوش پولیس والے چارپائیاں ڈالے ہوئے بیٹھے تھے اور بعض گلیوں کے لئے چارپائیوں کا انتظام نہیں ہو سکا تھا وہاں ناکہ بندی کر دی گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود میراں ناکہ سے چاکیواڑہ ٹرام پٹے تک لوگوں کا ایک اژدہام تھا جو وقفے وقفے سے آزادیٔ صحافت کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ جہاں گرفتاریاں پیش کی جانیوالی تھیں اس علاقہ کی پولیس نے سخت ناکہ بندی کر رکھی تھی۔

پولیس نے آزادیٔ صحافت کے حق میں نعرے لگاتے اور مجاہدینِ صحافت کا استقبال کرنے کے لئے آنیوالے لوگوں کو گالیاں دیں۔ جس پر ہجوم نے پولیس پر زبردست پتھراؤ کیا۔ اس موقع پر پولیس نے متعدد افراد کو گرفتار کر لیا اور انہیں سخت زدوکوب کیا۔ لیکن عوام سات بجے تک مجاہدین کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن انہیں اس علاقہ میں داخل نہیں ہونے دیا گیا جہاں مجاہدینِ صحافت کو گرفتاریاں پیش کرنی تھیں۔ سات بجے جیسے ہی شیر افگن اور سلیمان لنڈ نے دوبارہ اس علاقہ میں داخل ہونے کی کوشش کی انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ پولیس نے اس مرتبہ مخبری کے لئے محمود ہارون کے بھائی سعید ہارون کی خدمات بھی حاصل کیں۔ جنہوں نے علاقہ کے ڈی ایس پی اور متعلق تھانوں کے ایس ایچ او حضرات کے ایک اجلاس میں شرکت کی جس کا مقصد لوگوں کو مجاہدینِ صحافت کے استقبال سے روکنا تھا۔

تحریک کے ۵۸ ویں روز مجاہدینِ صحافت کے دستے نے لیاقت آباد سے گرفتاریاں پیش کیں۔ اس دستے میں مزدور کسان طلبہ رابطہ کمیٹی کی اصغر رضوی، مساوات لاہور کے مسٹر محمود زمان اور سندھی ہاری کمیٹی کے مسٹر صدیق زاہد شامل تھے۔ اس موقع پر پولیس نے اپنے روایتی کردار سے کام لیتے ہوئے مساوات کراچی کے فوٹو گرافر زاہد حسین کو بھی پکڑ لیا اور ان کا کیمرہ چھین لیا۔ زاہد حسین کو دیگر اسیروں کے ہمراہ لیاقت آباد پولیس اسٹیشن لے جایا گیا جہاں اسیروں کی آؤ بھگت غلیظ گالیوں سے کی گئی اور زاہد حسین سے پوچھ گچھ کے بعد ان کا کیمرہ منگوا کر اس میں سے فلم نکالی اور فلم کو لائٹ میں کھول دیا تاکہ نیگیٹو خراب ہو جائیں۔ اس کارروائی کے بعد زاہد کو واپس جانے کی اجازت دے دی گئی۔

پاکستان کی اکتیس سالہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ صحافیوں اور اخباری صنعت کے کارکنوں کی تحریک کو ۵۸ روز ہو چکے ہیں اور حکومت ان کے اصولی مسائل سے آنکھیں موڑ کر طاقت اور بہیمانہ تشدد کے ذریعے اسے کچلنے پر تلی ہوئی ہے۔ فوجی کابینہ میں پی این اے کے رہنماؤں کی شرکت کے بعد اس بات کی توقع کی جا رہی تھی کہ آزادیٔ صحافت کے بلند بانگ نعرے لگانے والے یقیناً صحافیوں کے مسائل پر اولین توجہ دیں گے۔ اور اس

(باقی ص۴۲ پر)

# ایپنک اور پی ایف یو جے کے سپاہیوں کی سب سے بڑی دولت ۔۔۔

# صحافیوں کو لاہور کے ارد گرد رہنے کے جرم میں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا

## سرکاری اخبارات پر سے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے

احفاظ الرحمان ۔ جنرل سیکرٹری
کراچی یونین آف جرنلسٹس

ایپنک اور پی ایف یو جے کے پرچم تلے اخباری کارکنوں کی جدوجہد دو ماہ قبل ۱۸ جولائی کو شروع ہوئی تھی۔ ایپنک اور پی ایف یو جے کی مرکزی مجالس عاملہ نے فیصلہ کیا تھا کہ اگر ۱۷ جولائی تک اخباری کارکنوں کے آٹھ مطالبات تسلیم نہیں کئے جاتے تو ۱۸ جولائی سے احتجاجی بھوک ہڑتال کا سلسلہ شروع کر دیا جائے گا۔ ۳۰ مئی [illegible]ایکشن کمیٹی نے جب عارضی طور پر لاہور میں اپنی جدوجہد [illegible]معطل کیا تھا تو اس وقت حکومت سے اپیل کی گئی [illegible]ی کہ اخباری کارکنوں کے آٹھ نکاتی مطالبات کے [illegible]سلسلے میں ایپنک اور پی ایف یو جے کے نمائندوں سے [illegible]اکرات کا آغاز کیا جائے۔ ۳۰ مئی سے ۱۷ جولائی تک ہم [illegible]بار اپیلیں کرتے رہے، حتیٰ کہ ایک بار ہم نے تاریخ [illegible]اعلان کرنے کے بعد بھی بھوک ہڑتال ملتوی کر دی تاکہ یہ نہ کہا جا سکے کہ ہم نے حکومت کو "خاطر خواہ وقت" نہیں دیا تھا لیکن اقتدار کے ایوانوں میں ہماری کوئی شنوائی نہیں ہوتی۔ ہم نے پورے پچاس روز تک انتظار کیا تھا، ہمارے بعض مطالبات فوری نوعیت کے حامل تھے اس لئے جدوجہد کو غیر معینہ عرصے تک التوا میں نہیں رکھا جا سکتا۔ چنانچہ ۱۸ جولائی کو کراچی پریس کلب میں ایپنک اور پی ایف یو جے کے قابلِ احترام صدر جناب منہاج برنا کی قیادت میں رضاکاروں کے پہلے دستے نے پُرامن احتجاجی بھوک ہڑتال کا آغاز کیا۔

سرکاری حلقوں کے اشتعال انگیز پروپیگنڈے اور چند خود غرض، بے ضمیر اور موقع پرست صحافیوں پر مشتمل ایک چھوٹے گروہ کی سازشوں کے باوجود ملک کی تمام جمہوریت پسند تنظیموں اور افراد نے ایپنک اور پی ایف یو جے کے آٹھ نکاتی مطالبات کی حمایت کا اعلان کیا، اخباری کارکنوں کی حمایت میں عوامی احتجاج کی لہر بلند سے بلند تر ہوتی رہی لیکن حکام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ ایپنک اور پی ایف یو جے کی اس اصولی جدوجہد کو قوت کے ذریعے کچلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن دو ماہ سے یہ جدوجہد اسی جوش و خروش کے ساتھ جاری ہے۔ اب تک پی ایف یو جے، ایپنک اور عوامی جدوجہد کمیٹی کے دو سو سے زائد رضاکاروں کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ اس دوران پُرامن طور پر گرفتاریاں پیش کرنے والے اخباری کارکنوں، ہاریوں، مزدوروں اور طالب علموں کو جس عریانیت کے ساتھ سڑکوں پر، حوالاتوں اور جیلوں میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا، اس کی تفصیلات سے ہر پاکستانی واقف ہو چکا ہے لیکن ان تمام ہتھکنڈوں کے باوجود وہ جدوجہد کا زور توڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ہر گزرتا دن اس جدوجہد کو ایک نیا حوصلہ، ایک نئی قوت بخش رہا ہے اصولوں کے لئے جدوجہد کرنے والوں نے آج تک جابر سے جابر حکومت کے آگے بھی گھٹنے نہیں ٹیکے۔ سب سے بڑی قوت حق پرستی ہے اور تاریخ [illegible] حق گو انسان کو شکست نہیں ہوتی۔ ایپنک [illegible] یو جے کے سپاہیوں کا سب سے بڑ[illegible] بڑی دولت حق پرستی ہے، اور اس دول[illegible] ہونے کے باوصف وہ کبھی کمزوری کا شک[illegible] یہی وجہ ہے کہ وہ ہر دور میں غیر جمہوری [illegible] اور اپنے ٹریڈ یونین حقوق کے لئے دلیری [illegible] برسرِ پیکار رہے ہیں۔

ایپنک اور پی ایف یو جے کی جدوجہد [illegible] حوصلہ افزا پہلو یہ بھی ہے کہ ملک کی تمام جمہو[illegible] سیاسی جماعتیں، ہاریوں، مزدوروں، طلبا[illegible] کی تنظیمیں غیر متزلزل انداز میں اخلاقی اور عملی [illegible] کی حمایت کر رہی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ [illegible] رکھنے والے چند خود غرض حلقے ایک سوچی سمجھی [illegible]

## ...کی حق پرستی ہے

...ہیں آج تک کسی
...اپنک اور پی ایف
...اثاثہ' سب سے
...دولت سے مالا مال
...کا شکار نہیں ہوتے۔
...ری اور سیاہ قوانین
...دلیری کے ساتھ

...جدوجہد کا ایک
...تمام جمہوریت پسند
...، طلبا اور دانشوروں
...اور عملی طور پر اس
...ت ہے کہ مخصوص مفادات
...سمجھی سازش

کے تحت ایپنک اور پی ایف یو جے کو مطعون کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہیں سرکار کی مکمل سرپرستی حاصل ہے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹس "تیر تفنگ" سے مسلح ہو کر مقدور بھر زہریلا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات ریڈیو، ٹیلی ویژن غرضیکہ ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع ان کی تحویل میں ہیں، اور ان کے ناجائز استعمال کی روایت کو پوری مستعدی کے ساتھ آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ لیکن ابلاغ عامہ پر "اجارہ داری" کے باوجود ان کی باتوں پر کسی کو یقین نہیں آتا۔ عوام کا حافظہ اتنا کمزور نہیں ہے انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ڈھاکہ ہاتھ سے جا رہا تھا اور سرکاری اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر پاکستانی افواج کی نئی کامرانیوں کا "مژدہ" سنایا جا رہا تھا۔ ایپنک اور پی ایف یو جے کے آٹھ نکاتی مطالبات کے سلسلے میں بھی بڑی "دھوم دھام" کے ساتھ منفی پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ کوئی انہیں بتانے والا نہیں ہے کہ سرکاری اخبارات ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر سے اس ملک کے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے، کوئی اور تدبیر کیجیے۔

"ان کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ ایپنک اور پی ایف یو جے کی جدوجہد سیاسی مقصد رکھتی ہے۔ اب آئیے سلسلہ وار ایپنک اور پی ایف یو جے کے آٹھ نکاتی مطالبات کا جائزہ لیتے ہیں، ان میں سیاست کہاں ہے اور کتنی ہے، اس کا اندازہ لگاتے ہیں۔

ہمارا سب سے پہلا مطالبہ یہ تھا کہ "لاہور تحریک" کے دوران نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات سے برطرف کئے جانے والے تمام اخباری کارکنوں کو ان کی ملازمتوں پر بحال کیا جائے اور حیدرآباد اور ملتان میں اخباری کارکنوں کی حمایت میں بھوک ہڑتال کرنے والے مزدوروں، ہاریوں اور طلبا کو رہا کیا جائے۔ لاہور تحریک کے دوران نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات پاکستان ٹائمز، امروز، اور مشرق سے ۲۸ اخباری کارکنوں کو برطرف کیا گیا تھا۔ اس وقت نیشنل پریس ٹرسٹ کا چیئرمین بدنام زمانہ بیوروکریٹ جمیل الزماں تھا۔ اس کی جانب سے ان کارکنوں کو جو

# پریس کو برسر اقتدار طبقے کا خدمت گزار بننے پر مجبور کیا جا رہا ہے

حکم نامہ جاری کیا گیا تھا اس میں کہا گیا تھا۔ "چونکہ تمہیں بھوک ہڑتال میں حصہ لینے کے جرم میں فوجی عدالت کی جانب سے سزا سنائی جا چکی ہے۔ اس لئے تمہیں ملازمت سے برطرف کیا جاتا ہے۔" ان میں سے چند افراد ایسے بھی

**ہم آزادی صحافت کیلئے**

**لڑتے رہے ہیں لڑ رہے**

**ہیں اور آئندہ بھی لڑیں گے**

تھے جنہیں محض لاہور کے "اردگرد" موجود ہونے کے جرم میں ملازمت سے برطرف کیا گیا تھا۔ چار صحافیوں پر جن میں جناب منہاج برنا بھی شامل ہیں، خود ساختہ فردِ جرم عائد کرنے تک کی زحمت گوارا نہیں کی گئی، بس یہ

"مژدہ" سنا دیا گیا کہ "تمہاری پوسٹ ختم کی جاتی ہے، اس لئے تمہاری خدمات کی ضرورت نہیں رہی۔" سب کو معلوم ہے کہ لاہور تحریک میں حصہ لینے والے اخباری کارکنوں کو غیر مشروط طور پر رہا کیا گیا تھا، اس لئے انہیں ملازمتوں سے برطرف کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا، سب سے افسوسناک اور قابلِ مذمت پہلو یہ ہے کہ انہیں محض فوجی عدالتوں سے سزا پانے کے "جرم" میں برطرف کیا گیا تھا۔ یہ ایک انتہائی مضحکہ خیز اور احمقانہ دلیل ہے کیونکہ لیبر قوانین میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر لیبر قوانین کے تحت انہیں قانونی نوٹس دینے کی زحمت تک گوارا نہیں کی گئی تھی۔ چنانچہ ایپنک اور پی ایف یو جے کی جانب سے ان کی ملازمتوں پر بحالی کا مطالبہ بالکل حق بجانب ہے۔ موجودہ تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں مشرق پشاور اور پاکستان ٹائمز راولپنڈی کے مزید تین صحافیوں کو اسی الزام کے تحت ان کی ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ اس طرح ان برطرف شدہ اخباری کارکنوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو چکا ہے جن

# تاریخ میں آج تک کسی حق گو انسان کو شکست نہیں ہوئی

کی بحالی کا ہم مطالبہ کر رہے ہیں۔ لاہور تحریک میں حصّہ لینے والے اخباری کارکنوں کو غیر مشروط طور پر رہا کیا گیا تھا لیکن ان کی حمایت میں حیدرآباد اور ملتان میں جن مزدوروں، ہاریوں اور طلبأ نے بھوک ہڑتال کی تھی، وہ اب تک جیلوں میں بند ہیں۔ ہمارا مطالبہ تھا کہ انہیں رہا کیا جائے کیونکہ وہ ہماری حمایت کرنے کے "جرم" میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ لاہور تحریک کے دوران اخباری کارکنوں کی غیر مشروط رہائی کے وقت حیدرآباد اور ملتان کے ان حق پرست مزدوروں، ہاریوں اور طلبأ کو بند رکھنے کا کوئی اخلاقی جواز نہیں تھا۔ اس کے علاوہ موجودہ تحریک کے دوران اب تک تقریباً دو سو اخباری کارکنوں، مزدوروں، ہاریوں اور طلبأ کو گرفتار کیا جا چکا ہے، ہم ان سب کی غیر مشروط رہائی کا مطالبہ کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ ایپنک اور پی ایف یو جے کے منصفانہ موقف کی وکالت کی ہے، اور اس کے لئے گراں قدر قربانیاں دی ہیں۔

ایپنک اور پی ایف یو جے کا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس سمیت تمام سیاہ قوانین ختم کئے جائیں اور اخبارات اور اخباری کارکنوں کے خلاف غیر معمولی اور سیاہ قوانین کے تحت کارروائی نہ کی جائے بلکہ اگر ان کے خلاف کارروائی مقصود ہو تو عام قوانین کے تحت اور عام عدالتوں میں کی جائے۔ تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ ہفت روزہ الفتح، ہفت روزہ معیار، ہفت روزہ نوائے جنگ کی جبری بندش ختم کی جائے اور اخبارات و جرائد کو پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس کے تحت دیئے گئے ضمانت طلبی کے نوٹس واپس لئے جائیں۔

مذکورہ دونوں مطالبات صرف ہماری نہیں بلکہ پوری قوم کی امنگوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بلاتخصیص ملک کی تمام سیاسی جماعتیں اس مطالبے کی بھرپور حمایت کرتی رہی ہیں۔ خود برسرِ اقتدار حکومت میں شامل جماعتوں نے اقتدار میں آنے سے قبل پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس کی تنسیخ کا وعدہ کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ ان کے دور میں اخبارات کے خلاف غیر معمولی اور سیاہ قوانین کے تحت کارروائی نہیں کی جائے گی۔ لیکن جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔ پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی ننس کے تحت حزبِ اختلاف کے بیسیوں اخبارات بند کر دیئے گئے ہیں۔ جو زندہ ہیں، وہ سسک سسک کر دن گزار رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اخبارات تک سے لاکھوں روپے کی نقد ضمانتیں طلب کی جا رہی ہیں۔ ایڈیٹروں اور دوسرے صحافیوں کے خلاف من مانے مقدمات قائم کئے جا رہے ہیں۔ سرکاری اشتہارات کے دروازے حزبِ اختلاف کے اخبارات پر بند ہیں۔ چھاپے خانوں کے مالکان کو طرح طرح سے ہراساں کیا جا رہا ہے کہ وہ حزبِ اختلاف کے اخبارات و جرائد شائع کرنے سے گریز کریں۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پریس مکمل طور پر پابند ہے اور اسے پرانی روایات کے مطابق برسرِ اقتدار طبقوں کا خدمت گزار بننے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے مذموم ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں ہمارا موقف یہ ہے کہ صحافت کو آزاد کیا جائے۔ حزبِ اختلاف کو اپنے خیالات و افکار پیش کرنے کی مکمل آزادی ہونی چاہیئے اور ابلاغِ عامہ کے ذرائع پر سے حکومت کی اجارہ داری ختم ہونی چاہیئے۔ یہ کوئی انوکھا مطالبہ نہیں ہے۔ آج قومی اتحاد سے نکلنے والی سیاسی جماعتیں بھی زور و شور کے ساتھ یہی مطالبہ کر رہی ہیں۔ ہماری ٹریڈ یونین کا تعلق صحافت کے پیشے سے ہے، اور اس حوالے سے ہماری یہ دلی خواہش ہے کہ ہم جو کچھ دیکھیں وہ عوام کو بھی پہنچائیں۔ ہم سرکاری خبروں پر انگوٹھا لگانے کی روایت سے نفرت کرتے ہیں۔ اس روایت نے ہمارے وطن کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر پچھلے دور میں اخبارات پر پابندی نہ ہوتی اور اخبار نویسوں کو لکھنے کی آزادی ہوتی تو وہ اپنے عوام کو اصل صورتِ حال سے باخبر رکھتے اور بنگلہ دیش کا المیہ جنم نہ لیتا۔ بہت ہو چکا، یہ ملک زخموں سے چُور چُور ہے۔ لفصت سے زائد آبادی اس کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ من مانی خواہشات کی لگام کھینچ لی جائے، ورنہ ہم سب مُنہ کے بل گر پڑیں گے۔ ہر دردمند پاکستانی کی یہی آرزو ہے، اور جب تک صحافت آزاد نہیں ہوگی، اس وقت تک اس آرزو کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

دنیا بھر میں جہاں کہیں اخباری کارکنوں کی انجمنیں موجود ہیں، وہ اپنے اپنے ملک میں اس مقدس مقصد کے لئے برسرِ پیکار ہیں۔ قلم قوم کی امانت ہوتا ہے وہ اس کے بے لاگ استعمال کا حق مانگتے ہیں، جلسے کرتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں، مظاہرے کرتے ہیں۔ سو پی ایف یو جے اور ایپنک کے سپاہی اس مقدس نصب العین کی راہ میں پہلے بھی لڑتے رہے ہیں، اب بھی لڑ رہے ہیں اور آئندہ بھی لڑیں گے۔ اگر یہ سیاست ہے تو یہ سیاست ہم کرتے رہیں گے۔

ایپنک اور پی ایف یو جے کے دوسرے مطالبات خالصتاً ان کے اقتصادی مسائل سے متعلق ہیں۔ گذشتہ چند سالوں کے دوران مہنگائی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے لیکن اخباری کارکنوں کی تنخواہیں جوں کی توں ہیں جب کہ سرکاری اداروں کے ملازمین تک کی تنخواہوں میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ اور اب تو خود مارشل لائی وزیر اطلاعات بھی اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ چنانچہ کوئی وجہ نہیں کہ ان مطالبات کو فوری طور پر عبوری امداد کے طور پر منظور نہ کیا جائے اور فوری طور پر اگلا ویج بورڈ ایوارڈ نافذ کیا جائے۔

ہمارے پانچ اقتصادی مطالبات یہ ہیں۔

۱: دس فیصد مصارفِ زندگی الاؤنس جون ۱۹۷۴ء سے بمعہ بقایاجات ادا کیا جائے۔

۲: بڑھتی ہوئی گرانی کے پیشِ نظر پچاس فی صد اضافی گرانی الاؤنس دیا جائے۔

۳: کرایہ مکان کی شرح پندرہ فیصد سے بڑھا

## ہم سرکاری خبروں پر انگوٹھا لگانے کی روایت سے نفرت کرتے ہیں!

کم پچاس فی صد کی شرح سے دیا جائے۔

۴: روز افزوں مہنگائی کے پیشِ نظر ہر سال مہنگائی کی شرح سے تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے۔

۵۔ ویج بورڈ ایوارڈ پر عملدر آمد کے ٹریبونل کی کارکردگی کو موثر بنایا جائے اور اس میں دو ججوں کا اضافہ کیا جائے تاکہ مقدمات کا فیصلہ تیزی سے ہو سکے۔

ایپنک اور پی ایف یو جے کی جدوجہد مذکورہ آٹھ نکات کی منظوری تک جاری رہے گی۔ ہمارا موقف منصفانہ ہے اور ہمیں اپنی کامیابی کا یقین ہے۔ اخباری صنعت کے کارکنوں کا اتحاد۔ زندہ باد! محنت کشوں کا اتحاد۔ زندہ باد۔

# سرکاری ہینڈ آوٹ جاری کرنیوالوں کی رہنمائی کے لئے

## فیصلہ کیجئے کہ یہ تحریک کون چلا رہا ہے

**۱۸ جولائی ۱۹۷۸ء**

۱۔ جناب منہاج برنا۔ پاکستان ٹائمز کراچی

۲۔ جناب رحیم بخش جتوئی۔ سب ایڈیٹر امروز ملتان

۳۔ جناب زاہد میمن۔ نمائندہ آفتاب حیدر آباد

۴۔ جناب قیصر محمود بٹ۔ نمائندہ اعتماد کوئٹہ

۵۔ جناب احمد خالد۔ سب ایڈیٹر مساوات لاہور

**۱۹ جولائی ۱۹۷۸ء**

۶۔ جناب امیر محمد خان۔ صدر سن ایمپلائز یونین کراچی، جنرل سکریٹری کراچی ایپنک۔

۷۔ جناب ظفر عالم۔ سب ایڈیٹر پاکستان ٹائمز راولپنڈی

۸۔ جناب آغا باقر۔ سب ایڈیٹر تعمیر راولپنڈی

۹۔ جناب اچھی میمن کسیاتی۔ نمائندہ مساوات لاڑکانہ

**۲۰ جولائی ۱۹۷۸ء**

۱۰۔ جناب حشمت وفا۔ نمائندہ امروز ملتان

۱۱۔ جناب علی رضوان۔ نیوز پیپرز ایمپلائز یونین فیصل آباد

۱۲۔ جناب وحید باغی۔ حیات لاہور

۱۳۔ جناب شبیر حسین۔ مساوات کراچی

**۲۱ جولائی ۱۹۷۸ء**

۱۴۔ جناب امجد سلطان۔ مساوات لاہور

۱۵۔ جناب حسن جتوئی۔ نمائندہ آفتاب حیدر آباد صدر میرپور پریس کلب۔

۱۶۔ جناب عرس ملاح۔ جنرل سکریٹری ہلال پاکستان کراچی۔

۱۷۔ جناب عمر فاروقی۔ مساوات لاہور

**۲۲ جولائی ۱۹۷۸ء**

۱۸۔ جناب زبیر احسن۔ مساوات لاہور

۱۹۔ جناب مسعود احمد۔ صدر جنگ ایمپلائز یونین کوئٹہ

۲۰۔ جناب طاہر نجمی۔ جنرل سکریٹری امن ایمپلائز یونین کراچی۔

۲۱۔ جناب آغا ارباب۔ جنرل سکریٹری فیصل آباد جرنلسٹ یونین۔

**۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء**

۲۲۔ جناب مشتاق شاہ۔ صدر صداقت ایمپلائز یونین کراچی۔

۲۳۔ جناب ثاقب رضوی۔ مساوات لاہور

۲۴۔ جناب ضیاء الدین ضیا۔ مساوات کراچی

۲۵۔ جناب محمد سومر۔ نمائندہ مساوات بلاری شاہ

**۲۴ جولائی ۱۹۷۸ء**

۲۶۔ شبر اعظمی۔ مساوات کراچی۔

۲۷۔ افتخار احمد۔ مساوات لاہور۔

۲۸۔ محمد ایوب۔ آزاد۔ لاہور

۲۹۔ فقیر محمد شاہد۔ مساوات کراچی

**۲۵ جولائی ۱۹۷۸ء**

۳۰۔ نور محمد نور۔ روزنامہ جنگ کوئٹہ

۳۱۔ عبدالرحمٰن۔ جاوید پریس کراچی

۳۲۔ سکندر علی رند۔ صدر شاہ کریم پریس کلب

**۲۷ جولائی ۱۹۷۸ء**

۳۳۔ رعنا نیر اقبال۔ لاہور

۳۴۔ ذیشان احمد۔ سن کراچی۔

## صحافی جنہیں اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران گرفتار کیا گیا

۱۔ وہاب صدیقی ۔ نصرت کراچی
۲۔ حسن ظہیر ۔ رازداں کراچی
۳۔ شہزاد چغتائی ۔ چیف رپورٹر صداقت کراچی
۴۔ معین الحق ۔ فوٹو گرافر امن کراچی

۳۵۔ نثار احمد ۔ شہداد پور یونین آف جرنلسٹ
۳۶۔ محمد الیاس ایڈیٹر ۔ سانگھڑ

**۳۰ جولائی ۱۹۷۸ء**

۳۷۔ ولی محمد واجد ۔ چیف رپورٹر امروز، ملتان اسسٹنٹ سکریٹری جنرل ایپنک ۔
۳۸۔ راشد عباسی ۔ صدر ایپنک پشاور
۳۹۔ سردار قریشی ۔ سب ایڈیٹر ہلال پاکستان کراچی
۴۰۔ غلام ربانی ۔ مساوات لاہور ۔
۴۱۔ منظور حسین ۔ عوامی رابطہ کمیٹی ۔
۴۲۔ انصار بیگ ۔ گورنمنٹ کالج ناظم آباد

**۳۱ جولائی ۱۹۷۸ء**

۴۳۔ قلندر بخش ۔ متحدہ مزدور فیڈریشن ۔
۴۴۔ اکرم قائم خانی ۔ این ایس ایف ۔
۴۵۔ رحمان انجانہ ۔ مساوات لاہور ۔
۴۶۔ مولابخش بھٹو ۔ سکھر ۔
۴۷۔ حبیب الرحمٰن ۔ وائس چیئرمین ایپنک پشاور

**۲ اگست ۱۹۷۸ء**

۴۸۔ ناصر زیدی ۔ نوائے ملتان ۔
۴۹۔ رحمان شاہ ۔ مساوات لاہور ۔
۵۰۔ بشیر بھٹی ۔ اعلان سکھر ۔
۵۱۔ عبدالکریم ۔ سن کراچی ۔
۵۲۔ علی محمد سادھو ۔ سندھی ہاری کمیٹی ۔
۵۳۔ سعید اشرف خان ۔ ڈو میڈیکل کالج این ایس ایف
۵۴۔ اسمٰعیل فیڈرا ۔ پاکستان ورکرز فیڈریشن

**۴ اگست ۱۹۷۸ء**

۵۵۔ جناب محمد ریاض بھٹی ۔ مساوات لاہور
۵۶۔ جناب مسعود قمر ۔ دعوتِ عمل فیصل آباد
۵۷۔ جناب غلام رسول ۔ نمائندہ آفتاب حیدرآباد
۵۸۔ جناب غلام نبی روحانی ۔ نجات سکھر ۔
۵۹۔ جناب ملک اکبر ۔ مزدور تنظیمی کمیٹی ۔
۶۰۔ جناب محمد سلیمان لنڈ ۔ سندھی ہاری کمیٹی ۔
۶۱۔ جناب جبار خٹک ۔ ایس ۔ این ۔ ایس ایف ۔

**۵ اگست ۱۹۷۸ء**

۶۲۔ جناب جوہر میر ۔ رکن ایکشن کمیٹی پشاور
۶۳۔ جناب عبدالوحید شیخ ۔ مساوات لاہور
۶۴۔ جناب محمد یوسف سومرو ۔ آفتاب حیدرآباد
۶۵۔ جناب محمد سرور ۔ مساوات کراچی
۶۶۔ جناب کلیم درانی ۔ نوجوان محاذ ۔
۶۷۔ جناب بصر خاصخیلی ۔ سندھی ہاری کمیٹی ۔

**۶ اگست ۱۹۷۸ء**

۶۸۔ جناب وہاب صدیقی ۔ الفتح کراچی
۶۹۔ جناب ہوت لغاری ۔ نمائندہ عبرت ۔
۷۰۔ جناب غلام محمد جتوئی ۔ نمائندہ ہلال پاکستان سکھر
۷۱۔ جناب محمد عظیم ۔ مساوات لاہور ۔
۷۲۔ جناب ملک حق نواز ۔ مزدور تنظیمی کمیٹی کراچی
۷۳۔ جناب یعقوب کھوڑو ۔ سندھی ہاری کمیٹی ۔

**۷ اگست ۱۹۷۸ء**

۷۴۔ جناب رعنا نیئر اقبال ۔ مساوات لاہور ۔
۷۵۔ جناب ندیم چشتی ۔ آفاق لاہور ۔
۷۶۔ جناب عبدالستار بھٹی ۔ ہلال پاکستان ۔

## مارشل لاء آرڈر ۱۲ کے تحت نظر بند کئے گئے ۔

۱۔ جناب محمود علی اسد ۔ جنرل سیکریٹری جنگ ایمپلائیز یونین ۔
۲۔ محمود شام ۔ چیف ایڈیٹر ہفت روزہ معیار کراچی ۔
۳۔ جناب اشرف شاد ۔ ایگزیکیٹو ایڈیٹر ہفت روزہ معیار کراچی ۔
۴۔ جناب ریاض احمد ۔ جنرل سیکریٹری جاوید پریس کراچی ۔
۵۔ مسز لالۂ رخ حسین ۔ سن کراچی ۔ پاکستان ہیرالڈ (اب گھر میں نظر بند)
۶۔ جناب موسیٰ جی دیگ ۔ جنرل سیکریٹری پاکستان ہیرالڈ ورکرز یونین کراچی ۔
۷۔ غلام نبی مغل ۔ رپورٹر روزنامہ ہلال پاکستان کراچی ۔
۸۔ شمیم اصغر ۔ لیبر آرگنائزنگ کمیٹی ۔ لانڈھی

## جنہیں مظاہرے کے مقام سے قریب کھڑے ہونے پر گرفتار کیا گیا

۱۔ جناب راجہ حسن اختر ۔ این ایس ایف
۲۔ امیر محمد راجپر ۔ نیشنل انجینئرنگ کالج کراچی
۳۔ نثار علی ۔ سابق نائب صدر ولیکا مزدور کرز یونین ۔

۷۷۔ جناب محبوب احمد ۔ نمائندہ الفتح ۔ میرپور خاص ۔
۷۸۔ جناب شوکت علی پلیجو ۔ سندھی ہاری کمیٹی ۔
۷۹۔ جناب اسحاق سولنگی ۔ این ۔ ایس ۔ ایف ۔

**۸ اگست ۱۹۷۸ء**

۸۰۔ جناب جاوید صدیقی ۔ فیصل آباد یونین آف جرنلسٹ
۸۱۔ جناب رعنا محمد رفیق ۔ مساوات لاہور ۔
۸۲۔ جناب منیر الدین بابر ۔ مساوات لاہور ۔
۸۳۔ جناب رؤف بھٹی ۔ مکران ۔
۸۴۔ جناب زبیر الرحمٰن ۔ مزدور کسان طلبہ کمیٹی
۸۵۔ جناب عبدالرزاق کوشک ۔ سندھی شاگرد تحریک ۔

**۹ اگست ۱۹۷۸ء**

۸۶۔ جناب الطاف ملک ۔ مساوات لاہور
۸۷۔ جناب ریاض محمد رضا ۔ مساوات فیصل آباد
۸۸۔ جناب فرید خان ۔ سن کراچی ۔
۸۹۔ جناب سراج احمد ۔ مساوات کراچی ۔
۹۰۔ جناب پیر بخش کرمانی ۔ سندھی ہاری کمیٹی
۹۱۔ جناب عبدالخالق زودران ۔ ایس این ایس ایف

**۱۰ اگست ۱۹۷۸ء**

۹۲۔ جناب شکیل قیصر ۔ سن ورکرز یونین لاہور
۹۳۔ جناب مسعود قمر ۔ فیصل آباد یونین آف جرنلسٹ
۹۴۔ جناب نور محمد ۔ کراچی ۔
۹۵۔ جناب علی محمد بھادا ۔ سندھی ہاری کمیٹی
۹۶۔ جناب شفیع محمد کلہوڑو ۔ یونائیٹڈ ورکرز فیڈریشن

**۱۱ اگست ۱۹۷۸ء**

۹۷۔ جناب ناصر زیدی ۔ الفتح ملتان
۹۸۔ جناب محبوب علی ۔ سیاست بہاولپور
۹۹۔ جناب نوید بصیر ۔ صداقت کراچی ۔
۱۰۰۔ جناب نور محمد بلوچ ۔ این ایس ایف ۔

(باقی صفحہ پر)

ٹارچر کے جدید ترین آلات استعمال کئے گئے، پانی میں ڈال کر گھمایا گیا

# اسیرانِ صحافت پر اذیت خانوں میں کیا گذری

## غیر ملکی جاسوسوں سے کیا جانیوالا سلوک روا رکھا گیا

ضیا احمد اعوان

اکثر ہم نازی جرمنی کے مظالم کی داستانیں سنا اور کتابوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پاکستان میں حسن ناصر شہید پر شاہی قلعہ میں ظلم کی روداد سن کر رونگٹے کھڑے ہو جایا کرتے تھے لیکن صحافیوں کی موجودہ آٹھ نکاتی جدوجہد میں وہ تمام کتابوں کی باتیں عملی طور پر ہمارے سامنے آنے لگیں اس جدوجہد میں شریک ہو کر ہم نے حکمرانوں کی جانب سے حقوق کے حصول کی تحریک کو کچلنے کے وحشیانہ طریقوں کو قریب سے دیکھا۔ میں اس جدوجہد کی مکمل تفصیل تو نہیں بتاؤں گا کیوں کہ اس جدوجہد میں ملک کے نامور صحافی۔ مزدور کسان اور طلبہ کے نمائندوں نے عملی طور پر حصہ لیا۔ اور وہ ان واقعات کو آپ کے سامنے بڑی وضاحت سے لاسکیں گے لیکن میں حوالات میں ۴۰ گھنٹے گذارنے اور اس عرصے میں اپنے دوستوں پر ہونے والے تشدّد کی روداد مختصر بیان کرنے کی کوشش کروں گا اس عرصے میں ہم نے پاکستان کے ان محافظ اداروں کے فرائض کا بھی جائزہ لیا جو عوام کے ٹیکسوں پر چلائے جاتے ہیں لیکن عوام کے خلاف استعمال کئے جاتے ہیں۔

۲۲ اگست کو تقریباً ساڑھے تین بجے دوپہر کو ہمارے دستے نے جو چار افراد پر مشتمل تھا۔ ریگل چوک پر احتجاجی گرفتاریاں پیش کیں ریگل چوک سے ہمیں پولیس کی بھاری معیت میں پریڈی تھانہ لایا گیا اور نام پتہ نوٹ کر کے ہمیں تھانے کی حوالات میں بند کر دیا گیا۔ ہمارا کسی حوالات میں آنے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ جب ہم حوالات پہنچے تو پہلے سے ہی ہمارے کئی ساتھی موجود تھے انہوں نے بڑے پُر جوش انداز میں استقبال کیا دوستوں سے تعارف کے بعد ہم نے حوالات کا بغور جائزہ لیا۔ حوالات کیا تھا ایک گندی اور اندھیری کوٹھری جس میں ایک لیٹرین بنائی گئی تھی۔ اس کوٹھری میں تو بدبو اور دیوار پر پان کے تھوک کے نشان تھے۔ شروع میں تو حوالات میں رہتے ہوئے بہت گھٹن محسوس ہوتی لیکن جلد ہی دوستوں نے جن کی تعداد چھ تھی ہمیں اپنے اوپر گذرنے والے مظالم کی روداد سنانا شروع کی تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہمارے حوالات کے علاوہ اسی تھانے کے دوسرے حوالات میں ہمارے چھ اور ساتھی موجود تھے۔ ہمارے ساتھی ہمیں واقعات سنا رہے تھے کہ رات تقریباً گیارہ بجے ایک بھاری گاڑی کے تھانے میں رکنے کی آواز آئی اور چند باوردی افراد جو شاید ملک کے اہم محافظ ادارے سے تعلق رکھتے تھے آئے اور تھانے کے سنتری سے کچھ کہا اور سنتری حوالات کے قریب آکر کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ہمارے دستے کے لاہور پی پی ایل کے ساتھی ہمراز احسن نے فوراً قمیص پہننا شروع کر دیا جس پر سنتری نے کہا کہ جناب آپ کو نہیں لینے آئے بلکہ آپکے ہاری ساتھی محمد صدیق چنا کو لینے آئے ہیں اور پھر ہم نے پہلی بار وہ منظر دیکھا جو ہم نے صرف کتابوں میں پڑھا تھا یعنی صدیق چنا کو ہماری آنکھوں کے سامنے آنکھوں پر رومال باندھ کر لے جایا گیا۔ اس واقعہ کے بعد ہمارے تمام دوست خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے سے آنکھ ملاتے ہوئے کترانے لگے کیوں کہ اس واقعہ کے بعد سے ایک سرد لہر سی جسم میں سرائیت کر گئی تھی۔ اسوقت ہمارا ایک ہاری ساتھی جو تشدد کیمپ کی اذیتیں جھیل کر آچکا تھا سخت بیمار ہو گیا ہم نے سنتری سے ان کے لئے گولیاں منگوا لیں۔ اس رات ہمیں بالکل نیند نہیں آئی۔

اس دن ہمیں پہلے سے موجود دوستوں نے جو واقعات سنائے اس سے یہ محسوس ہونے لگا کہ ہم نے اپنے جائز مطالبات کے لئے آواز بلند کر کے بہت بڑا جرم کیا ہے اور اسی جرم کی وجہ سے ہم سے غیر ملکی جاسوسوں کی طرح سلوک کیا جا رہا ہے کیوں کہ بقول دوستوں کے اس ٹارچر سیل میں تشدد کرنے کے پورے لوازمات موجود تھے۔ تشدد کے ان آلات اور اس کے استعمال کے طریقوں کا سن کر ہمیں نازیوں اور دوسرے فسطائی دور میں ہونے والے تشدد بھی ماند نظر آنے لگے۔ ہمارے دوست یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ ان کے ساتھ غیر ملکی جاسوسوں والا طریقہ اختیار کیا گیا کیوں کہ ان سے جس قسم کے سوالات پوچھے گئے وہ اسی کی نشاندہی کرتے تھے مثلاً آپ کا تعلق افغانستان سے تو نہیں ہے اور آپ کا کوئی رشتہ دار ایران یا بھارت میں تو نہیں ہے۔ کیا تم کلمہ پڑھنا جانتے ہو۔ پانچ نمازوں کی رکعتوں کی تفصیل بتائیں۔ آپ کو گرفتاری پیش کرنے سے پہلے کتنے روپے دیئے گئے اور آپ کو کس نے بھیجا ہے۔ یہ تحریک کون چلا رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ غلیظ گالیاں بھی دی جا رہی تھیں۔ بقول ان ساتھیوں کے کہ ہمیں آنکھوں پر پٹی باندھ کر تقریباً ۴۵ منٹ تک گاڑی میں گھمایا گیا اور پھر ایک اندھیری کوٹھری میں بند کر دیا گیا جس میں کوئی روشن دان تک نہیں تھا اس کے علاوہ انہیں کھڑے پانی میں گھمایا گیا جس میں جوں جوں آدمی داخل ہوتا جاتا تھا پانی گہرا ہوتا جاتا تھا اور اندھیری کوٹھری سے پیشاب کے لئے بھی آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جایا جاتا تھا اور تشدد کے طریقے یہ اختیار کئے تھے کہ ذرا سی دیر بعد کوٹھری کے دروازے کو اتنی زور سے کھولا جاتا کہ آنکھوں پر پٹی بندھے ہوئے لوگ خوف کی جھرجھری سی محسوس کرتے اس کے علاوہ فوجی بوٹوں اور مکوں سے مجاہدینِ صحافت کی تواضع کی گئی۔ جب ہم نے ساتھیوں سے معلوم کیا کہ آیا آپ کو علم ہے کہ وہاں کچھ اور دوست بھی موجود ہیں تو انہوں نے کہا کہ صرف ہتھکڑیوں کی چھن چھن سے محسوس ہوتا تھا کہ کیمپ میں کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں۔

جب ہم نے تمام دوستوں کے واقعات کا جائزہ لیا تو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی کہ حکومت صحافیوں کی تحریک میں مزدوروں، کسانوں اور طلبہ کی شمولیت سے گھبرا گئی ہے اور وہ ان پر تشدد کر کے اس تحریک میں مزید مزدور کسان اور طلبہ کی شمولیت کو روکنا چاہتی تھی لیکن

شاید فیصلہ کرنے والے احمقوں کی جنت میں رہتے ہوئے ایسے فیصلے کر رہے تھے جس سے تحریک بجائے ختم ہونے کے مزید تیز ہوتی جا رہی تھی اور ان کو یہ احساس تک نہ ہوا کہ یہ مزدور کسان اور طلبہ جو ملک کا تقریباً ۹۹ فیصد ہیں وہ ان اداروں سے کیا توقعات وابستہ رکھیں گے اور پھر ان میں ان اداروں کے لئے محبت کا جذبہ پیدا ہوگا بھی یا نہیں۔

۲۳راگست یعنی گرفتاری کے دوسرے دن پہلے ہمارے دو ساتھیوں کو فوجی عدالت بھیجا گیا اس کے بعد ہمارے دستے کے بقیہ تین افراد کو ہتھکڑیاں لگا کر فوجی عدالت لے جایا گیا یہاں پہلے ہی سے ہمارے کئی ساتھی جن میں احمد علی علوی۔ احسان سنگرامی اور نعیم خاور شامل ہیں موجود تھے ہم نے ایک دوسرے سے خیریت دریافت کی اور تشدد کیمپ میں جانے والوں کے متعلق دریافت کیا۔ ہمیں سب سے پہلے میجر کے سامنے پیش کیا گیا پیش کرنے سے قبل ہمارے گمشدہ ہاری ساتھی صدیق چنا کو لایا گیا اور میجر کے سامنے ہمیں پیش کر دیا۔ میجر نے پہلے سے دستخط شدہ احکامات سناتے ہوئے ہمارا ۲۷راگست تک کا پریڈی تھانے کا ریمانڈ دے دیا۔ قانوناً تو ہونا یہ چاہیئے تھا کہ صدیق چنا کو تھانے میں رکھا جاتا لیکن کمرے سے باہر نکلتے ہی ہاری ساتھی کو ہم سے ایک بار پھر جدا کر دیا گیا اور نامعلوم مقام (تشدد کیمپ) منتقل کر دیا گیا۔ ہمارا پہلا دستہ تھا جس کو باقاعدہ فوجی عدالت میں پیش کر کے ریمانڈ لیا گیا۔ اسی روز ہمارے حوالات کے دوسرے دو ساتھیوں کو کراچی سنٹرل جیل منتقل کر دیا گیا۔

اس روز ہمیں رات بھر بار بار خیال آتا کہ شاید وہ پھر آئیں اور کسی اور ساتھی کو لے جائیں لیکن ساتھیوں نے ہم لوگوں کے درمیان پھیلی ہوئی کیفیت کو دور کرنے کے لئے اپنی اپنی زندگی کے اہم واقعات سنانے شروع کر دیئے۔ اس رات نامعلوم ایجنسی کے لوگ کسی اور ساتھی کو لینے نہیں آئے اور رات بے چینی کے عالم میں گذری۔

۲۴راگست کو ہمارے تین ساتھیوں کو جو ہمارے ساتھ والے حوالات میں بند تھے، فوجی عدالت لے جایا گیا اور پھر ہمارے ساتھ پہلے سے موجود دیگر دو افراد سمیت ان تینوں کو کراچی سنٹرل جیل منتقل کر دیا گیا لیکن ہمارے ایک ساتھی جن کا تعلق ہفت روزہ دعوت عمل سے ہے کو فوجی عدالت سے ۱۰ستمبر کے ریمانڈ پر تھانہ ہی میں رکھ دیا گیا انہوں نے ۱۶راگست کو گرفتاری پیش کی تھی بعدازاں انہیں بھی قید تنہائی میں رکھا گیا۔ اسی روز بہاولپور کے روزنامہ دستور کے سب ایڈیٹر زاہد کو جن پر تشدد کیمپ میں الٹا لٹکا کر بہیمانہ تشدد کیا گیا تھا کراچی سینٹرل جیل سے پریڈی تھانہ میں ہمارے ساتھ بند کر دیا گیا زاہد نے چند گھنٹوں میں اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی داستانیں سنائیں اور کہا کہ مجھ سے زبردستی کسی کاغذ پر دستخط لئے گئے جب کہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اس نے ہمیں جو معلومات فراہم کیں اسے سن کر ایک باحوصلہ شخص بھی خوف محسوس کرنے لگے لیکن زاہد کے صرف چند الفاظ سے ہم مطمئن ہو گئے کہ جب وہ اتنا تشدد کرنے کے باوجود مجھ سے کچھ نہ پوچھ سکے تو اب اگر میری جان بھی جائے تو میں اس تحریک کے لئے اس عمل سے گذرنے کو بھی تیار ہوں۔ اس نے کہا کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرے الفاظ میرے ساتھیوں اور اخبارات تک پہنچ جائیں اس کے بعد بالکل پرواہ نہیں اس دوران زاہد کو طبی معائنہ کے لئے سول اسپتال لے جایا گیا اس وقت ہم زاہد سمیت اس حوالات میں چھ افراد باقی رہ گئے۔

۲۵راگست کو زاہد کی حالت بہت خراب ہو گئی تو اسے دوبارہ اسپتال لے جایا گیا لیکن واپسی پر اسے دوسرے حوالات میں قید تنہائی میں رکھا گیا۔ اس دوران پولیس والے ایمپریس مارکیٹ کے تقریباً ۱۲ ہاکروں کو پکڑ کر لے آئے اور انہیں ہمارے ساتھ حوالات میں بند کر دیا ۱۰ افراد کو چار چار سو روپے لے کر چھوڑ دیا گیا باقی افراد جن کو بند کیا گیا تھا ان کا کہنا تھا کہ ہم سے پولیس والے ہر ہفتے ۱۰ روپے وصول کرتے ہیں اس کے باوجود ہمیں پکڑ لیا تھا اور اب یہ کہہ رہے ہیں کہ چار چار سو روپے دو ورنہ تمہیں بند کر دیا جائے گا انہوں نے بتایا کہ ان کی گاڑیاں جن میں سامان لدا ہوا ہے ویسے کے ویسے کھڑی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم پر پولیس والے یہ الزام لگا رہے ہیں کہ آپ مہنگا سودا بیچ رہے ہیں تو ہم نے کہا کہ ایمپریس مارکیٹ کی تمام دکانوں سے ہم کم دام پر سودا بیچتے ہیں لیکن ان دوکان والوں سے صرف اس لئے پوچھ گچھ نہیں ہوتی کہ وہ ہزاروں روپے علاقے کے ایس ایچ او کو بھیجتے ہیں۔ اسی روز شام

کو میرے بھائی تشریف لائے تو انہوں نے بتایا کہ بڑی مشکلوں کے بعد آپ تک پہنچا ہوں انہوں نے آتے ہی ایک خوشخبری سنائی چونکہ میں اپنے گھر میں پہلا شخص ہوں جو گرفتار ہوا تھا اس لئے مجھے بڑی فکر تھی لیکن بھائی نے بتایا کہ تمہاری گرفتاری کے بعد ابو جان دوسرے دن تا دوپہر دوسرے مجاہدین صحافت کی گرفتاریاں دیکھنے گئے اور وہ ان سے بہت متاثر ہوئے اور اب ان کی ناراضگی کافی حد تک دور ہو چکی ہے۔ اسی روز آرٹلری تھانے سے ہمارے ساتھی عزیز احمد صدیقی اسسٹنٹ ایڈیٹر پاکستان ٹائمز اور جنگ کوئٹہ کے غلام عباس بھی آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ جب حبیب خان غوری صاحب گرفتار ہوئے تو پریس کلب کے صدر اشفاق احمد سے ہم نے کہا کہ وہ پریڈی تھانے والوں سے ہمارے متعلق دریافت کریں کہ وہ ہمیں بھول تو نہیں گئے تو اشفاق احمد صاحب کے ٹیلی فون کرنے پر انچارج نے بتایا کہ وہ یہ سمجھتے تھے انہیں بھی کیمپ لے جایا گیا ہے جب کہ ان کے ایک ساتھی شفیع محمد ہاری کو تشدد کیمپ میں تقریباً تین ہفتے سے رکھا ہوا تھا۔ بعد ازاں انہیں اور عزیز صدیقی اور غلام عباس صاحب کو بھی پریڈی تھانے لایا گیا۔

۲۶ راگست کو صبح عزیز صدیقی کے ہمراہ ان کے دو ساتھیوں کو کورٹ لے جایا گیا جہاں سے انہیں ریمانڈ پر لانڈھی جیل منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا لیکن جب یہ لوگ لانڈھی جیل پہنچے تو سپرنٹنڈنٹ جیل نے کہا کہ جیل کا ہاؤس فل ہو چکا ہے لہٰذا ہم آپ کو نہیں رکھ سکتے اور اس طرح وہ دوبارہ لاک اپ میں آ گئے۔ اسی روز زاہد کو جسے قید تنہائی میں رکھا گیا تھا معلوم ایجنسی کے لوگ سادہ لباس میں آئے اور زاہد سے تقریباً پندرہ منٹ تک گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد زاہد کو انچارج کے کمرے میں لے جایا گیا جہاں پہلے ہی سے انفارمیشن ڈپارٹمنٹ کے فوٹو گرافر موجود تھے اور اس کے علاوہ روزنامہ جسارت جس نے صحافیوں کی تحریک میں حکومت کے ایجنٹ کا کردار ادا کیا کے نمائندے موجود تھے۔ زاہد سے گفتگو کے دوران جب ان سادہ پوش لوگوں نے زاہد کے پاس اخبارات دیکھے تو انہوں نے انچارج کو برا بھلا کہا اور کہا کہ ان لوگوں کو بالکل اخبارات مت دو دوسرے روز سے ہمارے اخبارات بھی بند کر دیئے گئے۔ صرف جسارت اخبار پڑھنے کی اجازت تھی۔

۲۸ راگست کی صبح جب ہمیں جسارت اخبار دیا گیا تو اس میں بڑی سرخی اور ڈھٹائی کے ساتھ زاہد کا فوٹو چھپا ہوا تھا اور بیان درج تھا کہ صحافیوں کی تحریک صحیح نہیں ہے

اس میں یہ ذکر بھی تھا کہ زاہد حوالات سے اخباری نمائندوں سے گفتگو کر رہے تھے جب کہ آپ خود جانتے ہیں کہ پاکستان کے تھانوں میں کس قسم کا سلوک روا رکھا جاتا ہے ایک جانب تو ہمارے کسی شناسا کو ہم سے ملنے کی اجازت نہ تھی اور دوسری طرف زاہد نے اخباری نمائندوں کو غائبانہ طریقے سے طلب کر لیا اور ان سے بات چیت کی۔ اس منطق سے ہم سمجھ گئے کہ حکومت اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر تحریک کو کچلنا چاہتی ہے۔ اس روز ہمیں ہمارے دو ساتھیوں سمیت فوجی عدالتوں میں لے جایا گیا۔ جہاں تقریباً دو گھنٹے کے انتظار کے بعد ہمارے ساتھی صدیق چنا کو تشدد کیمپ سے لایا گیا اور پھر ہمیں میجر کے سامنے دوبارہ پیش کیا گیا۔ جہاں سے ہمیں ۱۶ ستمبر کے ریمانڈ پر جیل بھیجنے کا حکم صادر کیا گیا اس کے بعد ہمیں صدیق چنا سمیت تھانہ لایا گیا اس روز ہمیں جیل منتقل نہیں کیا گیا کیوں کہ اس روز حضرت علی کے یوم شہادت کی وجہ سے پولیس کا پورا عملہ مصروف تھا۔ تھانہ میں ہمیں صدیق چنا نے اپنے اوپر گذرنے والے چھ روز کے مظالم کی داستان سنائی اور کہا کہ آج چھ روز کے بعد میں نے سورج دیکھا ہے۔

اسی روز پریڈی پولیس ایک چرسی کو پکڑ کر لائی، جس کی جیب سے ۵ اپونڈ چرس برآمد ہوئی لیکن جب اسے حوالات میں بند کر دیا گیا تو اس نے رو رو کر فریاد کرنا اور پولیس کو گالی دینا شروع کر دیا۔ اس چرسی کی فریاد سے میں بہت متاثر ہوا کیوں کہ اس کی بات میں ایک احتجاج تھا وہ کہہ رہا تھا کہ میں تو صرف چرس پیتا ہوں تم لوگوں نے مجھے بند کر دیا ہے اگر چرس بند کرنا ہے تو میرے ساتھ چلو میں تم کو بتاتا ہوں کہ کتنے اڈے چل رہے ہیں۔ لیکن تم انہیں نہیں پکڑو گے اس لئے کہ تم تو ان سے پیسے لیتے ہو اور تم خود وہ اڈے چلا رہے ہو۔ چرسی کے ان الفاظ سے اس بات کا اظہار ہو رہا تھا کہ عوام کے یہ محافظ خود اپنی نگرانی میں سماج دشمن اڈے چلا رہے ہیں جس سے ہمارا معاشرہ ایک بدترین تاریکی کی جانب مائل ہوتا ہے دوسرے روز ہمیں ہمارے چھ ساتھیوں کے ساتھ کراچی سینٹرل جیل منتقل کر دیا گیا جیل پہنچے تو سکون کا سانس لیا اور صحیح طور پر چلنے پھرنے سے بدن کی تکلیف دور ہوئی بقول ایک قیدی کے حوالات کا ایک دن اور جیل کا ایک مہینہ برابر ہے۔ اس کے علاوہ یوم مئی کے اسیر جاوید شکور اور سلیم بلوچ وغیرہ ہر آنے والے کا پرتپاک استقبال کر رہے تھے گویا ہم ان کے گھر مہمان آئے ہیں۔ دراصل ہمارے یہ ساتھی جیل میں حقوق کے حصول کی جدوجہد کرنے والوں کے سفیر ہیں کہ زنداں میں داخل ہوتے ہی اپنے دیدہ و دل کو فرش راہ کر دیتے ہیں۔

# ڈاکٹر کی دونوں ٹانگیں توڑ دی گئیں

## اذیت رسانی کا شرمناک مظاہرہ ـــ!

**الطاف چغتائی**

صحافیوں کو پیشہ ورانہ فرائض میں بے شمار دشواریوں کا سامنا ہے لیکن اب تو انہیں کھلے طور پر تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اور افسوسناک امر یہ ہے کہ پولیس ایسے غنڈوں اور معاشرے کے بدنام لوگوں کی سرپرستی میں مصروف ہے جو دھونس اور دہشت گردی سے اپنے جرائم پر پردہ ڈالے رکھنا چاہتے ہیں۔ شاہ پور صدر کے قریب ساہیوال میں مساوات کے نمائندہ ڈاکٹر کاظم علی کو بدنام عناصر کے سیاہ کرتوتوں کو بے نقاب کرنے پر ایسی اذیت ناک سزا دی گئی کہ ان کی پوری زندگی تباہ و برباد ہو کر رہ گئی ہے۔ ان کی دونوں ٹانگیں توڑ دی گئی ہیں اور وہ ڈسٹرکٹ ہسپتال سرگودھا میں زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ تفصیل کے مطابق مساوات کا نمائندہ ڈاکٹر کاظم علی ساہیوال کے قصبہ "وچھ" کے جاگیردار چوہدری فتح خان نمبردار اور اس کے پروردہ غنڈوں ملازم حسین اور عطا محمد کے جرائم اکثر خبروں کے ذریعے بے نقاب کرتا تھا جس کی وجہ سے گذشتہ رات انہوں نے ڈاکٹر کاظم علی کو اپنے گھر بلا کر اتنی دردناک سزا دی کہ انسانیت کو شرم آنے لگی۔ اس غنڈہ گردی کے واقعہ پر ضلع بھر کے صحافی حلقوں میں زبردست تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ اور انہوں نے اسی واقعہ پر زبردست غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے قراردادیں منظور کیں۔ لیکن اس کے باوجود نوکر شاہی کے مہروں نے صرف ایک ملزم کو

گرفتار کیا جب کہ دوسرے ملزموں کو ضمانت کرانے کا موقع فراہم کر دیا۔ یہ تو تھی داستان باوردی محکمہ کی۔ اب ذرا بے وردی سرکاری محکمہ کا حال بھی سن لیجئے کہ اس کے اہل کار اپنے مقدس پیشہ سے کس قدر انصاف برت رہے ہیں۔ ڈاکٹر کاظم علی ایک غریب شہری ہے۔ اس میں اتنی سکت نہیں کہ وہ سینکڑوں روپے کی ادویات خرید سکے۔ لیکن ڈسٹرکٹ ہسپتال سرگودھا کے ڈاکٹر صاحبان انہیں ادویات مہیا کرنے کی بجائے طرح طرح سے پریشان کر رہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ہسپتال کا یہ عملہ اُن غنڈوں سے مل کر ڈاکٹر کاظم علی کی جان لینے پر تُلا ہوا ہے۔ خوشاب، جوہر آباد، پریس کلب کے صدر الطاف آزاد، نائب صدر ابو ماجد، جنرل سکرٹری محمد الطاف چغتائی اور پاکستان مساوات کے نمائندہ یونین کے بشیر احمد ملک نے مطالبہ کیا ہے کہ صحافی کے ساتھ غنڈہ گردی کرنے والے ملزموں کو فی الفور گرفتار کیا جائے اور انہیں فوری طبی امداد مہیا کی جائے بصورت دیگر ضلع سرگودھا کے صحافی شدید احتجاج کریں گے جس کی تمام تر ذمہ داری متعلقہ محکموں پر عائد ہوگی ●

## خلقِ خدا کسمپرسی کی زندگی کر رہی ہے

**انور دانش**
منڈی بہاؤ الدین

حالیہ برسات میں شدید بارشوں نے جہاں پورے ملک میں تباہی مچائی ہے۔ وہاں تحصیل پھالیہ بھی اس سے متاثر ہوتے بغیر نہ رہ سکی ہے۔ ہزاروں ایکڑ اراضی پانی کی زد میں آکر تباہ برباد ہو گئی ہے۔ لاکھوں روپے کی فصلیں تباہ ہو گئی ہیں اور تمام متاثرہ مواضعات میں اب تک چار فٹ سے لے کر دس فٹ تک پانی کھڑا ہے جس سے سینکڑوں مکان منہدم ہو گئے اور متاثرہ خاندان خشک جگہوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور جو چند فٹ جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں وہ فاقہ کشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دیہاتوں کے چاروں طرف پانی کھڑا ہے۔ تمام راستے بند ہونے کی وجہ سے تعفن اور بدبو نے لوگوں کا جینا حرام کر دیا ہے۔ اور یہ بھی خدشہ ہے کہ یہاں مہلک وبائی امراض نہ پھیل جائیں۔ افسوس اس بات کا ہے۔ ایک ماہ سے خلقِ خدا کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی ہے اور حکومت اور مقامی انتظامیہ لمبی تان کر سو رہی ہے۔ اور متاثرین کی امداد اور پانی کے نکاس کے لئے ابھی تک کوئی اقدام نہیں کیا گیا ہے محکمہ انہار کی جانب سے ان مواضعات کی تباہی کے پیش نظر ۱۹۷۶ء میں سروے کے بعد یہاں ایک سیم نالہ منظور کیا گیا تھا اور اس کی کھدائی کے لئے ۱۹۷۷ء کے بجٹ میں سے چھ لاکھ اسّی ہزار روپے مختص کئے گئے تھے اور اس سال بھی بجٹ میں سے سوہاوہ سیم نالہ کے لئے ایک بھاری رقم منظور کی گئی ہے۔ لیکن دو سال کا عرصہ گزر چکا ہے سیم نالہ کی کھدائی کی طرف توجہ نہیں دی گئی اور محکمہ انہار کو ان دیہاتوں کے غریب مزارعوں، اور مزدوروں کی بدحالی پر ترس نہ آیا۔ اس تمام تر تباہی کی ذمہ داری محکمہ انہار پر ہے کھڑے پانی کے نکاس کا بندوبست نہ ہونے سے خدشہ ہے۔ کہ متاثرہ اراضی میں سیم پیدا نہ ہو جائے۔ چارے کے قحط کی وجہ سے مولشیوں میں امراض پھیل چکے ہیں۔ مولشی اور عوام کسمپرسی کی حالت میں مبتلا ہیں۔ اور اگر یہی صورتِ حال رہی تو یہ علاقہ زندہ لوگوں کا مرگھٹ بن جائے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ متاثرہ دیہاتوں سوہاوہ بولائی، سوہاوہ جملائی، سوہاوہ دلوآنہ، چک نمبر۱۱ بھکھی، چک نمبر ۳۸، ٹبی دریائی جیبٹہ، رکن، گوہڑ، چک نمبر ۱۵ نوبہار، چک لباوا، موچیانوالہ، قادر آباد، رنمل اور کالا کی اراضی پر کھڑے پانی کے نکاس کے لئے فوری بندوبست کیا جائے۔ اس علاقہ کو آفت زدہ قرار دیا جائے اور متاثرہ افراد کی آباد کاری کے لئے امداد دی جائے ●

## شمالی علاقوں کے عوام کو حق رائے دہی دیا جائے

●●● قربان علی۔ صدر پی پی پی۔ شمالی علاقہ جات ●●●

۲۹ اگست کو ذوالفقار ہاؤس گلگت پاکستان پیپلز پارٹی علاقہ جات شمالی کی ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں ناردرن ایریا کے مرکزی و ضلعی عہدہ داروں اور کارکنوں نے شرکت کی۔ اجلاس میں ملک کی موجودہ سیاسی و معاشی حالات کا جائزہ لیا گیا۔ اور بہ اتفاق رائے سے درج ذیل قرار دادیں منظور کیں۔ یہ اجلاس پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۲۷ اگست ۱۹۷۸ء بمقام اسلام آباد کی منظور کردہ جملہ قرار دادوں کی من و عن بھرپور حمایت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی و دیگر سیاسی و صحافی اسیروں کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔ موجودہ سیاسی، اقتصادی اور آئینی بحران سے نمٹنے کے لئے سال ۱۹۷۸ء کے اختتام سے قبل ہی ملک میں عام انتخابات کا انعقاد از بس ضروری ہے تاکہ نمائندہ حکومت برسرِ اقتدار آکر مؤثر طریقے سے ان بحرانوں پر قابو پا سکے۔ علاقہ جات شمالی میں پہلی بار مارشل لا کے نفاذ اور اس علاقے کو زون ای قرار دینے سے علاقہ جات شمالی کے عوام کے اس دیرینہ مطالبے کو تائید حاصل ہو گئی ہے کہ علاقہ جات پاکستان کا جزوِ لاینفک ہے۔ اور ایک علیحدہ یونٹ (صوبہ) کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اجلاس پُر زور مطالبہ کرتا ہے کہ زون "ای" یعنی شمالی علاقہ جات کا سیاسی اور انتظامی ڈھانچہ بھی فوری طور پر پاکستان کے دیگر زونوں کے طرز پر قائم کیا جائے اور یہاں کے عوام کو حق رائے دہی دے کر پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ میں نمائندگی دی جائے۔ تاکہ یہاں کے عوام غیر مساویانہ سلوک سے احساس محرومی کا شکار نہ ہوں۔ چونکہ اس سال شدید بارشوں سے علاقہ جات شمالی کے متعدد دیہاتوں کو غیر معمولی جانی و مالی نقصانات کا شکار ہونا پڑا ہے زرعی اراضی کی کھڑی فصلوں کو سخت نقصان پہنچا ہے اس لئے یہ اجلاس پُر زور مطالبہ کرتا ہے۔ کہ متاثرہ دیہاتوں کو آفت زدہ علاقہ قرار دے کر ہنگامی و ترجیحی بنیادوں پر نقصانات کی تلافی کی جائے۔ چار لاکھ روپے کا گرانٹ ان متاثرین کی آباد کاری اور نقصانات کی تلافی کے لئے ناکافی اور برائے نام ہے

# آئین کیا ہے
# سیاستدان کیا ہیں
# عوام کیا ہیں
# انتخابات کیا ہیں

ظفر قریشی

سوال :۔ آئین کیا ہے ؟

جواب :۔ چند صفحات کی دستاویز جسے کوئی بھی جب چاہے، پھاڑ سکتا ہے۔ لیکن بزنجو صاحب کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

سوال :۔ سیاست دان کیا ہیں ؟

جواب :۔ چار پاؤں والی وہ مخلوق جو کسی کے سیٹی بجانے پر اس کے پیچھے دم ہلاتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ نہ کاٹتے اور نہ بھونکتے وفاداری کے ساتھ دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے زور وفاداری پر ہے۔

سوال :۔ عوام کیا ہیں ؟

جواب :۔ عوام کی اکثریت جب تک خاموش ہے۔ اس وقت تک ٹھیک ٹھاک ہے۔ لیکن ان میں کچھ فی صد ایسے ہیں جنہیں وقت بے وقت ہر چیز میں انگلی مارنے کی عادت ہوتی ہے۔ ہٹلر نے عوام کی اکثریت کو گدھا قرار دیا تھا اور امیر جماعت اسلامی نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں چار نشستیں جیتنے کے بعد جہل مطلق کے خطاب سے نوازا تھا۔ ایک طبقہ اور ہے اور جو طاقت کا سرچشمہ عوام کو قرار دیتا ہے حالانکہ طاقت کا سرچشمہ امریکہ ہے جس کے ایک صدر نے ایک نہایت احمقانہ بات کہی تھی کہ حکومت عوام کی ہو، عوام کے لئے ہو اور عوام کی طرف سے ہو۔

سوال :۔ انتخابات کیا ہیں ؟

جواب :۔ ایک نہایت فضول عمل، جس پر قوم کی دولت اس کا وقت اور اس کی توانائی ضائع ہوتی ہے۔ اب خواہ کوئی مانے یا نہ مانے حتمی اقتدار ہمیشہ اس شخص کے پاس ہوگا، جو چیف آف اسٹاف کے عہدے پر فائز ہوتا ہے۔ اس لئے انتخابات پر قوم کی دولت، اس کا وقت اور اس کی توانائی ضائع کرنے کی بجائے بہتر ہوگا کہ اقتدار کے اس مخرج، منبع کو تسلیم کر لیا جائے۔ اس طرح غیر پیداواری اخراجات کو پیداواری اخراجات ثابت کرنے کا بھی جواز فراہم ہو جائے گا۔ اور وقتاً فوقتاً بلا عنوان سیاست دانوں کے اقتدار میں آجانے کے بعد قومی خزانے کے لٹنے کا جو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے اس سے بھی ملک محفوظ رہے گا ملک کے سالانہ بجٹ کا ایک بڑا حصہ اور تمام ممکنہ و غیر ممکنہ سہولتیں جو ایک غریب اور ترقی پذیر قوم اپنا پیٹ کاٹ کر فراہم کر سکتی ہے جاری رہیں تاکہ ملک کو اس کے عوام سے جو خطرہ ہے اس کا موثر سد باب کیا جا سکے۔ ویسے اگر انتخابات ناگزیر ہی ہو جائیں تو مثبت نتائج کی شرط پر کرائے جا سکتے ہیں۔

سوال :۔ حلال روزی کیا ہے ؟

جواب :۔ لغوی معنی میں حلال روزی اسے کہتے ہیں جو محنت و مشقت سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں چونکہ محنت اور مشقت کے لغوی معنی متروک ہو گئے ہیں اس لئے عوام کو حلال روزی کے نئے معنی سمجھانے کے لئے چند برسوں کے وقفے کے بعد ایک عمل دہرایا جاتا ہے۔ جس کی وضاحت چنداں ضروری نہیں۔

سوال :۔ آزادیٔ صحافت کیا ہے ؟

جواب :۔ جانے والے کو گالی دینے کی آزادی۔ اس اصول پر جو اخبار یقین رکھے گا، اس کا مالک دنیا میں سرخرو ہوگا مثال کے طور پر دیکھئے اردو کے سب سے بڑے اور کثیر الاشاعت اخبار کی طرف اور جو صحافی اس اصول کو نہیں مانتے وہ دنیا میں مرغے قرار دیئے جائیں گے۔

سوال :۔ جیل کیا ہے ؟

جواب :۔ سرکاری مہمان خانہ، جہاں ہر آنے والا جانے والے کے ساتھیوں کو نظریۂ ضرورت کے تحت رکھتا ہے۔ تاہم اس مہمان خانے کے دروازے سچی بات کہنے والے ہر شخص کے لئے دن رات کھلے رہتے ہیں۔ اس مہمان خانے کی ہوا صحافیوں کو تو اس قدر راس آتی ہے کہ پتھر کے زمانے کے آرام و آسائش، مفت کی روکھی سوکھی کھانے اور مقبول شخصیت پکا صحافی ہونے کے لئے جوق در جوق چلے جاتے ہیں اور اندر داخل ہونے کے بعد کہتے ہیں لو بھئی بڑے مہمان خانے سے چھوٹے مہمان خانے میں آگئے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بڑے لوگ یہیں پیدا ہوتے ہیں۔

سوال :۔ مسلم لیگ کیا ہے ؟

جواب :۔ قائداعظم کی وفات اور لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد، اس جماعت کی حیثیت اس نوجوان اور خوبصورت بیوہ کی ہو گئی جو محض زندہ رہنے کے لئے ایک خصم کے بعد دوسرا خصم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ مزید کیا عرض کیا جائے، آپ خود سمجھدار ہیں۔

سوال :۔ جماعت اسلامی کیا ہے ؟

جواب :۔ جماعت اسلامی وہ صالح جماعت ہے جس نے ہر کام صدق دل سے کیا ہے۔ قیام پاکستان کی مخالفت بھی صدق دل سے کی، ون یونٹ کی حمایت بھی اور کوٹہ سسٹم کی مخالفت بھی صدق دل سے کی، بھٹو کے دور میں جمہوریت کا راگ بھی صدق دل سے الاپا اور از سر نو انتخابات کا مطالبہ کرتے کرتے وہ چھ وزارتوں پر صدق دل کے ساتھ براجمان ہو گئی اور اسی صدق دل کے ساتھ نظریۂ پاکستان کی وضاحت کر رہی ہے۔ بزنجو صاحب لاکھ اختلاف کریں، لیکن اس وقت چونکہ جماعت اسلامی اقتدار میں ہے اس لئے قوم کو نظریۂ پاکستان کی وہی وضاحت قابل قبول ہوگی جو جماعت اسلامی صدق دل سے پیش کرے گی اور

اسی وضاحت کہ نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کی بنیادی دستاویز قرار دیا جائے گا۔

سوال:۔ ٹیلی ویژن کیا ہے؟

جواب:۔ ایک شیطانی چرخہ جو نامحرموں کو گھر گھر متعارف کراتا ہے اور "حسن پرہائی" جیسے ہندو ثقافت کی ترجمانی کرنے والے لچر اور بے ہودہ ناچ پیش کئے جاتے ہیں۔ وہی نامحرم "اس پر تعبیر" جیسا معیاری کھیل پیش کر سکتے ہیں جو جماعت اسلامی کے ایک ہمدرد کی تخلیق ہے۔ یہ پوچھنے والے پوچھ سکتے ہیں کہ ڈرامے ہماری ثقافت میں کب سے شامل ہو گئے؟ مصنوعات کی اشتہار بازی کیوں کر جائز ہے؟ گانے کب سے اس پاک صاف تہذیب کا حصہ شمار ہونے لگے؟ موسیقی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ خواتین نیوز ریڈر اور ٹیلی ویژن پر آنے والی دیگر "چڑیاں" کیسے برداشت کی جا سکتی ہیں؟ وغیرہ۔ لیکن یہ سوالات کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ ان کے نتیجے میں ایک خوفناک بحث شروع ہو سکتی ہے جو عوام کی جاہل اکثریت کو گمراہ کر سکتی ہے۔

سوال:۔ حلف کیا ہے؟

جواب:۔ حلف وہ بھاری چیز ہے، جسے ذمہ داری کہتے ہیں۔ جب کندھے تھک جائیں تو حلف کو کندھوں پر سے سرکا دیا جاتا ہے اور نظریۂ ضرورت کے تحت چند دوسرے افراد زیادہ اختیارات کے ساتھ دوسرا حلف لاد لیتے ہیں۔ پچھلا حلف کہاں جاتا ہے۔ پچھلا حلف اٹھانے والے اپنی معیاد کیوں پوری نہیں کر پاتے، اس پر مرحوم جسٹس کیانی نے اپنی ایک تقریر میں سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ اللہ اگر توفیق دے تو ضرور پڑھیئے گا۔ بازار میں ان کی انگریزی کی تقاریر کے چار پانچ مجموعے فروخت ہو رہے ہیں جو حالاتِ حاضرہ پر بھی روشنی ڈالتے ہیں حالانکہ ان کا انتقال ہوئے کئی برس گزر چکے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھیئے کہ ہم پیچھے کی طرف جا رہے ہیں۔ ہرگز نہیں! یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہیں تو اور کیا ہے کہ اس نے ہمیں، انتخابات کے امتحان سے گزارے بغیر نیک اور صالح حکمرانوں کی ٹیم عطا کر دی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ طالب علم جو امتحان دیئے بغیر پاس ہو جاتے ہیں۔

سوال:۔ بنیادی حقوق کیا ہیں؟

جواب:۔ گذشتہ اکتیس برس میں تو دکھائی نہیں دیئے البتہ اس نام سے بازار میں ایک کتاب ضرور آئی تھی۔ کتاب اگر ری پبلک کے کورس میں شامل کر لی جائے تو بہتر ہوگا

کیوں کہ اس سے مرتب کو رائلٹی اچھی ملے گی۔ یہاں یہ سوال نہ کیا جائے کہ مجرموں کی وکالت کہاں تک جائز ہے!

سوال:۔ احتساب کیا ہے؟

جواب:۔ احتساب وہ مشینری ہے جو گنے کے کھیت میں کھڑے ہو کر فیلڈ مارشل بن جانے والے ایک غاصب حکمران نے قائم کی تھی۔ اس زمانے میں اس مشینری کو "ایبڈو" کہا جاتا تھا۔ ایبڈو کے تحت ایک سو سیاست دانوں کو جو جس کی لاٹھی اس کی بھینس، کا اصول تسلیم کرنے سے انکار کر رہے تھے، ایک مدت کے لئے سیاست میں حصہ لینے کا نااہل قرار دیا گیا تھا۔ ان ایک سو سیاست دانوں کو راستے سے ہٹانے میں چار برس لگے تھے، اور اس عمل کے بعد بالآخر جو انتخابات ہوئے تھے وہ بھی ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول کی بنیاد پر نہیں ہوئے تھے۔ احتساب کی مشینری کس حد تک فعال اور طاقت ور ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود اس کا احتساب کبھی نہیں ہو سکتا اس کے سر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ڈالر کی دولت کا سایہ رہتا ہے۔

سوال:۔ اچھے لوگ کون ہوتے ہیں؟

جواب:۔ اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جو مل بانٹ کر کھاتے ہیں اور اگر موٹر سائیکل چلاتے ہیں تو مقامی کرش ہلمٹ پہنتے ہیں۔ درآمدی گندم کی ترسیل کا پورا ٹھیکہ خود لے لیتے ہیں۔ سات آٹھ برس کی سرکاری ملازمت کے بعد نیم سرکاری کارخانے میں مینجنگ ڈائریکٹر لگ جاتے ہیں اور سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوتے وقت غلام محمد بیراج کے علاقے میں زرعی اراضی الاٹ کرا لیتے ہیں۔ زندہ رہنے کا حق انہیں ہی ہوتا ہے۔

سوال:۔ سچ کیا ہے؟

جواب:۔ اگر میرے پاس توپ و تفنگ ہے تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔ اگر میرے پاس توپ و تفنگ نہیں ہے تو میری ہر بات کھوکھلی اور جھوٹی ہے۔ نہتے آدمی کو سچ بولنے کی جھوٹی عیاشی میں ہرگز نہیں پڑنا چاہیئے۔

سوال:۔ قومی خزانہ کیا ہوتا ہے؟

جواب:۔ قومی خزانہ ایک بڑا آہنی صندوق ہے، جو اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں رکھا ہے۔ بدعنوان سیاست دان رات گئے اس آہنی صندوق میں سے قومی دولت لوٹ کر لے جاتے تھے۔ مگر اب یہ صندوق محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ اس کے گرد ۲۴ گھنٹے مسلح گارڈ کا پہرہ رہتا ہے۔ نوٹ بے شک پہلے سے زیادہ چھپ رہے ہیں۔ اور افراطِ زر بھی دوگنا ہو چکا ہے۔ لیکن اس سے فرق نہیں پڑتا کیوں کہ نظامِ مصطفیٰ کا نفاذ ہو رہا ہے۔ جیسے ہی یہ عمل مکمل ہو جائے گا قیمتیں ۱۹۷۰ء کی سطح پر واپس چلی جائیں گی اور بارشیں تاجروں کی خشوع و خضوع کے باوجود ۱۹۷۰ء کی سطح پر بھی نہیں آئیں گی۔

سوال:۔ مسائل کا حل کیا ہے؟

جواب:۔ یومِ آزادی ہر سال ۲۷ رمضان المبارک کو منایا جائے تو سب دلدر دور ہو جائیں گے۔

سوال:۔ گرانی کیا ہے؟

جواب:۔ گرانی پیٹ بھری طبیعت کی ہوتی ہے آٹا اگر مہنگا ملے تو روٹی کم کھائی جائے بلکہ بالکل ہی نہ کھائی جائے۔ اس طرح خود بخود قیمتیں کم ہو جائیں گی۔ کیوں کہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی!

**

# قومیتوں کے سوال پر جدوجہد جاری رہے گی

## سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن

سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن سندھ یونیورسٹی کے صدر سرفراز میمن نے مسٹر غوث بخش بزنجو کے اس "حامیہ موقف" کو سراہا ہے، جس میں انہوں نے چار قومیتوں کے وجود اور حقوق کو تسلیم کرنے پر زور دیا ہے انہوں نے کہا کہ تمام محب وطن ترقی پسند شروع سے پاکستان میں قومیتوں کے وجود، ثقافت اور زبان کو تسلیم کرانے کے لئے ناقابلِ مصالحت جدوجہد کر رہے ہیں۔ انہوں نے مسٹر بزنجو کے بیان پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے کہا

آزاد کشمیر

# میر صاحب کی آواز کو مارشل لاء نے دبا دیا

## کشمیریوں سے کب تک یہ مذاق ہوتا رہے گا

سید نذیر گیلانی

ابھی پاکستان میں ٹیلی ویژن کی ابتدا نہیں ہوئی تھی، ریڈیو ہی شہروں اور دیہاتوں میں عام تھا۔ برصغیر ہند و پاک اور بیرون پاکستان جن دو آوازوں سے ہر پاکستانی، ہر کشمیری اور ہر آزادی پسند کو والہانہ عشق تھا وہ میرے وطن پروگرام کے میر صاحب اور اللہ لوک کی آوازیں تھیں۔ اللہ لوک ۲۶ جون ۱۹۷۳ء ریڈیو جاتے ہوئے دل کے بیٹھ جانے سے اللہ کو پیارے ہوئے۔ اس طرح برصغیر کی ایک عظیم آواز خاموش ہو گئی۔ راجہ افتخار اللہ لوک کا اصل نام تھا اور ریڈیو پروگراموں میں شرکت اصل میں خاندانی روایات سے ایک بغاوت تھی۔ مگر تاریخ میں زندہ رہنے کے لئے بغاوت اور اختلاف ایک ضروری عمل ہے اللہ لوک کی بے وقت موت سے ریڈیو تراڑکھیل آزاد کشمیر کا پروگرام "میرے وطن" اپنی اکائی سے محروم ہو گیا۔ اب میر صاحب ہی اپنے نئے ساتھی کے ساتھ مل کر ہواؤں کے دوش پر نئے پیغام، تازہ ولولے اور امید کا سامان لاتے رہے۔ اللہ لوک کے بچھوڑے کی تلافی ناممکن تھی۔ اس میں قدرت کا عمل دخل تھا مگر اس کے پسماندگان پہ کیا گزری اس کا الحاق کے ٹھیکیداروں اور الحاق فروشوں کو بھی خیال نہیں رہا۔ ساری زندگی الحاق اور آزادی کے نغمے گانے والوں کے پسماندگان کہاں ہیں۔ کس حال میں ہیں۔ اس کا کسی کو احساس نہیں۔ پھر دوسرا بڑا دھماکہ ۲۸ مئی ۱۹۷۸ء کو ہوا جب اس پروگرام کی آخری آواز کا مارشل لاء کے انصاف نے گلا دبا دیا ۹ ماہ کی جبری رخصت کے بعد میر صاحب کو پیپلز پارٹی کے ساتھ وابستگی کے جرم میں بائیس سال بعد مکھن سے بال کی طرح نکال باہر کیا گیا۔

میر صاحب اصل میں الحاج میر نورالدین شاہ اختر دلنہ بارہ مولہ کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران انگریزوں کی جیل میں برابر آٹھ سال قید کاٹی۔ تب میر صاحب ہماری طرح جوان تھے، قوی تھے اور عمر قیدیان کے لئے ایک بے وقعت اور قابلِ برداشت سزا تھی۔ اب جب کہ نہ میر صاحب انگریز کی جیل میں ہیں، نہ جوان رہیں، مسلمانوں کے انصاف نے روٹی کمانے کی گنجائش ہی ختم کر دی۔ ان کا بڑا واضح جرم تک بھارت سرکار کے خلاف زہر اگلنا۔ مقبوضہ کشمیر میں اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات اور میل کی تمام راہیں مسدود کرنا ہے۔ میر صاحب آل پاکستان ریڈیو کا سٹنگ ایمپلائیز یونین کے دو بار صدر منتخب ہوئے۔ ان کی اور ان کے رفقاء کی برطرفی سے قبل ریڈیو یونین پر پابندی عائد کر دی گئی ورنہ ممکن تھا کہ رفقاء "ہائے ہائے" کا احتجاج کرتے۔ بائیس سالہ تاریخی خدمت اور الحاق کے حسین خواب پر مارشل لاء کی آمد پر بے انصافی کا جو ٹریکٹر چلا اس سے میر صاحب کی تمام امیدوں کی جڑیں اکھڑ کر رہ گئیں۔ ریڈیو حکام نے بائیس سالہ سروس کی قیمت آٹھ نو ہزار لگا دی ہے جس میں آدھی سے زیادہ رقم سکوٹر ایڈوانس میں چلی جائے گی اور پھر میر صاحب مملکت اسلامیہ پاکستان میں رائج ہونے والے نئے انصاف سے ایک ہاتھ دور بے انصافی کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ ایک عمر تھی جو انہوں نے پاکستان اور کشمیر کی آزادی کے لئے وقف کر دی۔ کبھی اخبار آغاز کی ادارت کی۔ قیام پاکستان سے قبل ہندوستان کی بڑی بڑی شخصیات کے ساتھ جیل کے دن گزارے۔ آج وہ مہاسبھا کے جنرل سیکریٹری دیش پانڈے، کمیونسٹ لیڈر سوم سنگھ جوش، ماسکو نواز اچھر سنگھ چھینا، فارورڈ بلاک کے عاشق حسین ایڈووکیٹ، مسلم لیگ کے نواب ممدوٹ، شوکت حیات خان، حکیم آفتاب قریشی، شورش کاشمیری، میاں افتخار الدین، شیخ صادق حسن وغیرہ، ایک ایک کا جب ذکر کرتے ہیں تو انسان اسے ایک سائنسی افسانہ ہی قرار دیتا ہے مگر میر صاحب نے تو تاریخ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جو تجربے اور جو تلخیاں سہی تھیں آج ان کا ریکارڈ ہی ٹوٹ گیا۔ عمر کے باحوصلہ ایام سے وہ بہت آگے نکل چکے ہیں اور ایک ایسے مقام پر ہیں جہاں صبر کا بھی دامن ہاتھ نہیں آتا ہے۔

سیاسی وابستگی پر برطرفی کرنے والوں سے اگر یہ پوچھا جائے کہ وہ قیام پاکستان سے قبل اور پھر بعد کے ایام میں کس سے وابستہ رہے۔ جوانی میں وہ قیام پاکستان کی تحریک سے وابستہ رہنے کے بعد آزاد وطن میں آزادیٔ کشمیر کی تحریک سے منسلک ہوئے۔ اور پھر آج کا منصف اگر باریکی میں اپنی گذشتہ کل دیکھے تو اسے اپنی ذات بھی اس ممنوعہ سیاسی وابستگی سے پاک نظر نہیں آئے گی۔ ایسے میں بیچارے میر صاحب کا محاسبہ اس شہزادی کی چوراپا کی طرح ہے جس نے شہزادی کا ہار چرا کر گلے میں پہنا بھی اور ہاتھ میں چراغ لئے چور کی تلاش کرنے لگی۔ ہجرت میں، عمر کے

---

ہے کہ بزنجو کو چاہیئے تھا کہ وہ چار قومیتوں کے مسئلہ کے حل کی راہ میں حائل رکاوٹوں یعنی امریکی سامراج اس کی دلال نوکر شاہی، بائیس خاندانوں، جاگیرداروں اور رجعت پرستوں کی بھی واضح نشاندہی کرتے کیونکہ یہی اصل میں قومی استحصال اور مظلوم عوام کی لوٹ کھسوٹ میں شریک اور حصہ دار رہے ہیں۔ مسٹر بزنجو کو یہ بھی چاہیئے تھا کہ وہ عوام دشمن قوتوں کے خلاف تمام سامراج دشمن، محبِ وطن اور جمہوری محنت کش عوام کو متحد ہو کر جدوجہد کرنے کی دعوت دیتے۔ رجعتی حکمران طبقات اس مرحلہ پر جب کہ ملک کے شدید سیاسی، سماجی اور اقتصادی بحران کو حل کرنے کے قابل نہیں کسی صورت میں بھی قومیت کے مسئلے کو حل نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ سندھ این ایس ایف کا یہ موقف ہے کہ قومیتوں کے حقوق کو آج کی صورتِ حال میں طلبہ، مزدوروں، کسانوں اور صحافیوں کی جدوجہد سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ سامراج سے چھٹکارا حاصل کرنے اور دلال سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور رجعت پرستوں کی بالادستی کو ختم کئے بغیر نہ تو قومیتوں کا مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی حقیقی جمہوریت بحال کرائی جا سکتی ہے۔

اس حصے میں جب صبر کا دامن بھی ہاتھ میں نہیں آتا، بچے زیر تعلیم ہیں، بچیوں کی شادی کے معاملات ہیں، کرایہ مکان ہے، روٹی دال کے بے شمار مسائل بھی ہیں۔ اور مارشل لاء کی مہنگائی کا بوجھ بھی اور پھر بیروزگاری کا منوں وزن بھی، الحاق کے اس ترجمان کی زبان بندی کے بعد قوت برداشت کا ساتھ چھوڑ دینا کوئی نئی بات نہیں۔ میر صاحب متنازعہ وطن کی ایک غیر متنازعہ شخصیت ہوتے ہوئے بھی سیاسی تنازعے کی نذر ہوئے۔ یہ سوال ایک میر صاحب کا نہیں بلکہ تحریک آزادی کشمیر کی بنیادیں جو پہلے ہی سے کھوکھلی کی جارہی ہیں اب ناتواں نظر آتی ہیں۔ اہل کشمیر جنہوں نے ابھی حق خودارادیت کے استعمال سے اپنی قسمت کا فیصلہ کرنا ہے اگر ایک ایسے ملک کے ہاتھوں مایوس ہوتے ہیں جس کے ساتھ الحاق کا شور وغل ہے تو پھر بھارت سے کیا شکوہ۔ اس طرح کے بے شمار ایسے فیصلوں سے انسان کانپ اٹھتا ہے کہ ہم کس طرح کشمیریوں کی سادگی سے مذاق کرتے آئے ابھی تک تو بنیادی بات یعنی آزادی کشمیر ہی طے نہیں ہوئی۔ جب تک دونوں حصوں کے لوگ آزادانہ ماحول میں اپنی رائے کا اظہار نہ کریں ہندوستان اور پاکستان میں اس قسم کا سلوک بین الاقوامی مواعید اور اخلاقیات کے ہر اصول سے انحراف ہے۔ بھارت اور پاکستان اس بات کے پابند ہیں کہ اہل کشمیر کو آزاد ماحول میں حق خودارادیت استعمال کرنے کا موقع دیں بھارت کی حیثیت ایک نوآبادیاتی طاقت جیسی ہے جو اس وعدے سے برابر انحراف کر رہا ہے اور ریاست میں رائے شماری سے خوف کھاتا ہے۔ لیکن نہ جانے پاکستان کو کون سا ان دیکھا خوف لاحق ہے کہ نہ تو وہ یہی سرپرستی کر کے پاکستان کی تکمیل کا وعدہ نبھاتا ہے اور نہ ہی اہل کشمیر کی کسی ایسی ہی آزادادا کو پسند کرتا ہے۔ بلکہ ہر وہ اقدام کرنے سے ذرہ برابر ہچکچاتا نہیں جس سے کشمیریوں کی حوصلہ شکنی اور بھارت کے ارادوں کی تکمیل ہوتی ہو۔ اب یہ سوال ہر کشمیری اور پاکستانی کے ذہن میں ابھرے گا کہ اس قسم کے اقدامات سے کشمیریوں میں بددلی پھیلے گی یا کہ وہ اسے ایک نیک اقدام تصور کریں گے۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسا شخص جس کی زندگی ہجرت کی آگ میں جھلس گئی ہو، ساری عمر پاکستان کی سلامتی کے لئے دعاؤں اور مساعی میں گزاری ہو جب وہ بیچ سڑک کے حوادث اور پریشانیوں کے گھیرے میں آئے تو اس پر "وائے افسوس" ہر حلقے سے بلند ہو گی۔ میر صاحب کی ہجرت کا فیصلہ آج رد ہو گیا اور اسکی تردید تاریخ بھی نہیں کر سکتی۔

اس انسانی بے کسی کا دوسرا اہم پہلو میر صاحب کے بچے ہیں جن کا مستقبل اب مکمل طور تاریک ہو گیا۔ آج وہ میر صاحب سے جواب طلبی کر رہے ہیں۔ اس بے قصور نسل کے سینے میں احساس محرومی اور ناامیدی کے ساتھ بغاوت اور چیلنج کا ایک عمل حرکت میں آئے گا اور وہ تاریخ سے اور اس کے احاطے میں آنے والے ہر انسان کو ہٹانے کی کوشش کریں گے۔ ہر غیر سیاسی فیصلے کا نتیجہ بھی اس سے مختلف نہیں ہو سکتا تو اگر نظام اسلام کے شیدائیوں سے ایک سادہ سا سوال کیا جائے کہ نیل کے ساحل پر بھوکے کتے کی ذمہ داری کے احساس کو بحال کرنے والو جہلم کے کنارے بھوکے انسان کا کیا ہو گا۔ راہ ہجرت میں لٹے پٹے کنبوں کو معاشی تحفظ سے محروم رکھنا کس لغت میں عین اسلام ہے۔ ایسے فیصلے تو بے دین معاشرے میں بھی جرم اور سنگین اخلاقی گراوٹ سمجھے جاتے ہیں۔ پھر اس طرح بے سہارا کنبوں کو تہہ ستم کرنا کہاں کا انصاف ہے۔

میر صاحب کی وابستگی ہر پاکستانی کے ساتھ ہے۔ اور اگر بھٹو صاحب پاکستانی نہیں تو وہ الگ بات ہے، ان کا ہر اس شخص سے اشتراک ہو سکتا ہے جو اس کے وطن کی آزادی میں مخلص ہو۔ سچا دین انصاف اور خلوص ہے۔ جس بھی دین سے سچائی اور انصاف خارج ہوں وہ سوائے علی بابا کے قصے کہانی کے اور کیا ہے؟ میر صاحب کہتے ہیں کہ الحاق نے مجھے کیا دیا اور میں اپنی آئندہ کی نسل کو کیا دوں۔ رہی سہی ایک نوکری تھی جو اس راہ میں چھینی گئی۔ اب ان کے پاس اپنی نسل کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں سوائے چند یادیں اور چند محرومیاں۔ آج جب میر صاحب قیام پاکستان سے قبل اپنے جیل کے ساتھیوں کو یاد کرتے ہیں جو برصغیر کی سیاست کے حکمران رہے اپنی بے کسی پر آنسو بھی نہیں بہاتے، اس خوف سے کہ کہیں بچے بچیاں بھی اس طوفان میں نہ بہہ جائیں میر صاحب لاکھ چھپائیں ان کی زیر سرپرستی ہر ایک ہجرت اور الحاق کو تاریخ اور ذاتی تجربے کے آئینے میں پرکھنے کی کوشش کرے گا۔ آج میر صاحب کے نظریات تنکوں کے ڈھیلے ڈھالے ڈھیر کی طرح بکھر گئے۔ انہوں نے چالیس سال پہلے وطن چھوڑا ہے اور بھارت کا دعوہ وہ ہمیشہ رد کرتے آئے مگر آج وہ بھی پنڈی میں ایک ردی کی ٹوکری میں پڑے ہیں۔ تاریخ اور وقت کا سفر جاری ہے۔ اگر ردی اور کوڑے کا اسی طرح انبار لگتا رہا تو تاریخ کا غیر جانبدار فیصلہ ہم سب کو مٹا دے گا۔ میر صاحب کا آدھا وطن آزاد کشمیر ہے مگر یہ علاقہ پاکستان کی ہر حکومت کا ایک باجگزار رہا ہے ورنہ پاکستان میں ہونے والی اس زیادتی پر آزاد حکومت مجسم احتجاج بنتی لیکن اس علاقہ کے سیاستدان بھی سرکاری ملازموں کی طرح مقرر اور برطرف ہوتے رہتے ہیں۔ دیکھتے کہ ہیں کہ یہ رسم چلتی ہے کب تک؟

# میر صاحب، آپ بھی کرائے کے وزیر بن گئے


عنایت اللہ خان

کوئٹہ


پاکستان پیپلز پارٹی ضلع نصیر آباد کے صدر میر محمد صادق عمرانی نے اس امر کو قول و فعل میں تضاد اور منافقت کی بدترین مثال قرار دیا کہ میر علی احمد تالپور جو مسلح افواج کو "کرایہ کی فوج" قرار دے کر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی ذمہ دار مسلح افواج کو ٹھہراتے تھے آج وہ خود کرایہ کے وزیر بن کر بچے کھچے پاکستان کو توڑنے کی سازش میں آلہ کار بن گئے۔ جناب عمرانی جیل سے رہا ہونے کے بعد کوئٹہ میں کارکنوں کی جانب سے اپنے اعزاز میں دیئے گئے استقبالیہ سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اگر انتخابات کو ملتوی رکھنے اور موجودہ غیر آئینی اور غیر جمہوری حکومت کو دوام دینے کے لئے احتساب، نظام مصطفیٰ، مثبت نتائج، مضبوط اقتصادی نظام، جداگانہ انتخابات اور بلدیاتی انتخابات کے متعلق ریفرنیڈم کرانے کے بے سرو پا بہانے ناکام ہو گئے تو بعید نہیں کہ کل یہ سوال اٹھایا جائے کہ چونکہ قائد اعظم کے پاکستان کا آدھا حصہ کٹ چکا ہے۔ اس لئے موجودہ پاکستان کے بارے میں اس معاملہ پر ریفرنیڈم ضروری ہو گیا ہے کہ اس کا نام پاکستان ہے یا کوئی اور نام تجویز کیا جائے۔ جناب عمرانی نے کہا کہ اس خدشے کو تقویت اس بات سے

ڈیرہ غازی خاں

بشیر الامین
سالاری

# پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں سے ملکی بحران میں اضافہ ہوا ہے

پیپلز پارٹی ڈیرہ غازی خان کے صدر و سابق ممبر صوبائی اسمبلی جناب بشیر الدین سالار نے کہا ہے کہ شکست خوردہ سیاسی جماعتوں کو مارشل لا حکومت کی وفاقی کابینہ میں شامل کر کے منصفانہ اور آزادانہ انتخابات کا راستہ روک دیا گیا ہے اور پیپلز پارٹی کے خلاف انتقامی حربے استعمال کر کے ملکی حالات کو مزید سنگین بنایا جا رہا ہے۔ وہ گذشتہ دنوں پیپلز پارٹی کے مقامی دفتر میں کارکنوں کے ایک بھاری اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے موجودہ سیاسی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ انتخابات کے انعقاد کے سلسلے میں عبوری حکومت ہمیشہ "سازگار حالات" پیدا کرنے کی آڑ میں انتخابات کو ملتوی کرتی چلی آ رہی ہے اگر حکومت کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ اب ملک میں امن و امان کا کوئی مسئلہ موجود نہیں ہے تو پھر "سازگار حالات" کے معنی کیا ہیں؟ وہ کون سے حالات ہیں جو حکومت انتخابات کے انعقاد سے پہلے پیدا کرنا چاہتی ہے؟ اس کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ حکومت کے ذہن میں "سازگار حالات" کا صرف یہ تصور ہے کہ پیپلز پارٹی کو غیر منصفانہ اور متشددانہ کارروائیوں کے ذریعہ اس قدر اپاہج کر دیا جائے کہ انتخابات میں اس کی کامیابی کے امکانات ختم ہو جائیں۔ اس کے علاوہ پیپلز پارٹی کے خلاف یک طرفہ معاندانہ پروپیگنڈہ جاری رکھ کر اور قرطاسِ ابیض کے ذریعہ پیپلز پارٹی کی فرضی دھاندلیوں کا ڈھنڈورا پیٹ کر ملک کے اندر اور باہر یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ پیپلز پارٹی پچھلے انتخابات میں صرف دھاندلیوں کے ذریعے کامیاب ہوئی تھی۔ اور رائے عامہ اس کی ہمنوا نہیں تھی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ تاثر اس غرض سے بھی پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ آئندہ انتخابات میں پیپلز پارٹی کے خلاف کھلی دھاندلیوں کے ارتکاب کے لئے راہ ہموار ہو جائے۔ انہوں نے جماعت اسلامی پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ جماعت اسلامی کے ملّا اب انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ عوام کی نمائندگی کے دعویدار بھی ہیں۔ حالانکہ اب یہ حقیقت چھپائے نہیں چھپ سکتی کہ پیپلز پارٹی کے خلاف محاذ آرائی کی پشت پناہی اور رہنمائی بین الاقوامی سامراج کر رہا تھا۔ اور یہ ملّا اپنی تاریخی روایات کے مطابق سامراج کے صرف آلۂ کار تھے۔ نظامِ مصطفےٰ کے پردے میں انہوں نے اپنی قوم کو تباہی کے کنارے پہنچا کر سامراج کی جو خدمت انجام دی اب اس کا صلہ بھی انہیں وفاقی وزارتوں کی شکل میں مل چکا ہے۔ اجلاس میں منظور احمد لنڈ ایڈووکیٹ اور شیخ عبد الطیف نے بھی خطاب کیا۔

---

ملتی ہے کہ موجودہ حکومت کی تمام تر ہمدردیاں جماعت اسلامی کے ساتھ ہیں اور اس جماعت کے بانی مولانا مودودی نے پاکستان کو نا قستان اور ناپاکستان قرار دے کر بانیٔ پاکستان حضرت قائد اعظم کو کافر اعظم کہا تھا۔ ہمارا یہ خدشہ اس لحاظ سے بھی درست قرار پاتا ہے کہ یوم استقلال پاکستان کے غیر متنازعہ دن کو جسے قائد اعظم اور قائد ملت نے بھی تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، مختلف تاویلات اور تشریحات پیش کر کے تبدیل کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ یوم استقلال پاکستان کو بدل ڈالنے کی کوششیں کامیاب ہو گئیں تو پھر عید میلاد النبیؐ کے تبدیل کرنے کا بھی شدید خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ کیونکہ ۱۹۷۰ء میں مولانا مودودی نے ۱۲ ربیع الاول کی بجائے فرعون کی پیدائش کے دن کو عید میلاد النبیؐ کا دن قرار دے کر ۳۱ مئی کو یوم شوکت اسلام منایا تھا۔ جناب عمرانی نے اس امر کو پاکستان کے لئے ایک عظیم المیہ اور مسلمانانِ پاکستان کی شدید بدقسمتی قرار دیا کہ مولانا مودودی، جن کی عمر انبیاء کرام اور صحابۂ رسولؐ کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کرنے میں گذری ہے، ریڈیو، ٹی وی اور ابلاغ کے دوسرے سرکاری ذرائع ان کی جماعت کی ملکیت میں دیئے گئے ہیں۔ اب اس امر کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ مستقبل قریب میں ریڈیو اور ٹی وی پر بھی انبیاء کرام اور صحابۂ رسول کی شان میں توہین آمیز کلمات کا سلسلہ شروع نہ ہو جائے۔ مولانا مودودی جو پاکستان کی ایک متنازعہ شخصیت ہیں اور حسن بن صباح اور مرزا غلام محمد کی مانند ایک نئے مذہب کے بانی ہیں، ریڈیو اور ٹی وی پر پہلے ہی مفکرِ اسلام قرار دیئے جا چکے ہیں۔ حالیہ قرطاسِ ابیض کو سفید جھوٹ اور افترا پردازیوں کا مجموعہ قرار دیتے ہوئے جناب عمرانی نے کہا کہ اس کے متعلق کچھ کہنا وقت کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ تاہم یہاں میں اس طوائف کی مثال پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں جس نے ایک خاتونِ خانہ کو طوائف کہا تھا اور خاتون نے جواب میں صرف اتنا کہا تھا کہ تم نے مجھے وہ چیز کہہ دی ہے جو تم خود ہو، حیران ہوں کہ میں تجھے کیا کہوں ——؟

## صالحین اسلام کے نام پر کفر ساز فیکٹری چلا رہے ہیں

مقصود الحسن بخاری جنرل سیکرٹری
پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن، پنجاب

معاصر ہفت روزہ زندگی نے گذشتہ چند ماہ سے پنجاب کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کے عہدیداران نیز سرگرم اور فعال اراکین کے خلاف تکفیر و مخالفت کی جو مہم شروع کی تھی اس کا مطلب ۲۲ جون ۱۹۷۸ کو ہی عام لوگوں کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اس دن ایسوسی ایشن کے انتخاب ہوتے اور "طوطا یونین" بنائی گئی۔ جماعت اسلامی کا یہ ایک بہت بڑا ہتھکنڈا ہے۔ ایسوسی ایشن کی پوری تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب کبھی انہیں تنظیم پر قبضہ کرنے کی تکلیف لاحق ہوتی ہے یا کسی متوازی تنظیم کی داغ بیل ڈالنے کی سوجھتی ہے تو اس کے لئے زمین ہموار اور اپنے حق میں حالات سازگار کرنے کے لئے جماعت کے ہمدرد رسائل اور اخبارات کے ذریعے رکاوٹیں دور کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ وہ لوگ جو ان کی راہ میں مزاحم ہو سکتے تھے ان کے خلاف ہمیشہ الحاد و اسلام دشمنی کے فتوے صادر کئے جاتے ہیں۔ "پیکیٹ" اور "تنظیم اساتذہ" جیسی تنظیموں کا قیام عمل میں لانے سے پیشتر یہی حکمت عملی اپنائی گئی تھی۔ پہلے 'نوائے وقت' اور 'چٹان' میں تکفیر و الحاد کی گولہ باری کی گئی تھی بعد ازاں تنظیم کے مورچے پر براہِ راست حملہ کرنے کی سعی کی گئی جو بوجوہ اخلاقی اور آئینی جواز کی بنا پر بارآور نہ ہو سکی تھی۔ کچھ دنوں بعد یہ تمام اسلام پسند حضرات (ہاتھوں میں سفید جھنڈے اٹھائے) کفر و الحاد سے بھرپور اراکین کے ساتھ تعاون کی پیشکش کرتے نظر آنے لگے تھے۔ پسپائی کے بعد ان ابن الوقت حضرات کے نزدیک کفر و اسلام کا جھگڑا ختم ہو گیا تھا کیوں کہ اوروں کے علاوہ خود جماعت کی سرپرستی میں چلنے والے اداروں کے اساتذہ کی جیب میں تین ہندسوں کے ماہانہ مشاہرہ کی جگہ چار ہندسوں کی تنخواہیں پہنچنے لگی تھیں۔ ملازمتیں بھی پکی ہو گئی تھیں اور معاشرتی احترام میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اساتذہ جانتے ہیں کہ یہ مالی استحکام اور معاشرتی احترام اساتذہ کی اس اجتماعی جدوجہد کا ثمر تھا جو برسوں سے نجی اداروں کے مالکان اور ان کے استحصالی ہتھکنڈوں کے خلاف کی جا رہی تھی۔ اس جدوجہد کے سرخیل یہی لوگ ہیں جن کو نجی اداروں کے مالکان نے ملحدین کے لقب سے نوازا تھا۔ انہیں ملازمتوں سے الگ کیا تھا اور ان پر ہر طرح کا ظلم و ستم توڑا تھا۔

اخلاقی گراوٹ کا جہاں تک سوال ہے یہ بے لوث و بے غرض ہو کر اجتماعی جدوجہد کرنے میں نہیں ہوا کرتی۔ پورے طبقے کے مفادات سے غداری کرنے میں مضمر ہوتی ہے۔ آج کہ یہ اسلام پسند حضرات جو بزعم خویش نہایت اخلاقی قدروں کے نمونے بنے ہوئے ہیں۔ ان کا پورا ریکارڈ غداریوں اور ریشہ دوانیوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایسوسی ایشن کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو نجی اداروں کے مالکان کے سامنے دم ہلاتے تھے۔ ان کے لئے جاسوسی اور مخبری کے فرائض انجام دیتے تھے۔ ایسوسی ایشن کے فعال سرگرم اور مخلص اراکین کے خلاف گواہیاں دیتے پھرتے تھے انہیں بیروزگار بنانے کی سازشیں کرتے پھرتے تھے (جیسا کہ یہ تنگ نظر اور سنگدل حضرات آج بھی کر رہے ہیں) ان کا خود ساختہ ضابطہ اخلاق انسانیت اور علم دوستی کے تمام اعلیٰ اصولوں کی تذلیل سے عبارت ہے۔ ان حضرات کا ضابطۂ اخلاق ایک مشہور انگریزی ضرب المثل کے عین مطابق ہے یعنی یہ لوگ سالم اونٹ تو نگل جاتے ہیں لیکن مچھر نگلنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ جھوٹی کہانیاں گھڑنا استحصالی طبقات سے گٹھ جوڑ کر کے اساتذہ کی پشت میں خنجر گھونپنا، اساتذہ کے عظیم تر اتحاد کو پارہ پارہ کرنا، سازشیں کرنا، اختلافِ رائے رکھنے والے اساتذہ اور ان کے اہل و عیال کو نامساعد حالات اور بیروزگاری کے جہنم زار میں دھکیلنا ان صالحین کا مشہور زمانہ ضابطہ اخلاق ہے۔ یہ لوگ صرف محفوظ مقامات میں بیٹھ کر جدوجہد کرنے میں یقین رکھتے ہیں اور جب بادِ مخالفت چلنے لگتی ہے تو عام طور پر مقامِ زیر پر ہو جایا کرتے ہیں۔

زندگی، ان سازشی صالحین کا ڈھنڈورچی کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب اس ہفت روزے کے کسی بھی ایک شمارے کے مطالعے سے بآسانی مل سکتا ہے۔ جس طرح ہر رسالے کی ایک پالیسی اور لائن ہوتی ہے حملے کے ہدف اور تعریف و توصیف کے نکات ہوتے ہیں بعینہٖ اسکی بھی ایک پالیسی اور لائن ہے اور حملے کے ہدف بھی ہیں۔ بنیادی طور پر یہ رسالہ فکر و نظر کی قدامت پسندی اور رجعتی خیالات کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ جماعت اسلامی کے نقطۂ نظر اور مسلک کیلئے کمیٹڈ ہے ۲۵ تا ۳۱ اگست ۱۹۷۸ء کے شمارے میں جو اداریہ بعنوان "این ڈی پی نئے افق کی تلاش میں" لکھا گیا ہے وہ اس رسالے کے اپنے سیاسی افق اور رُخ کی صاف طور پر چغلی کھا رہا ہے۔ اسی رسالے کے گزشتہ شماروں میں قومی اتحاد سے علیحدہ ہونے والی بعض محترم ہستیوں پر جس طرح کیچڑ اچھالا گیا ہے اور ان پر جیسی نوع کے رکیک اور مذموم حملے کئے گئے ہیں کیا اسے اس ہفت روزہ کے مدیرانِ محترم اور ان کے سیاسی ہمسفرین کا مخصوص ضابطۂ اخلاق قرار نہیں دیا جا سکتا؟ کیا اسلامی ضابطۂ اخلاق اس قسم کا ہوا کرتا ہے؟ یہ کوئی اسلامی مقولہ تو نہیں ہے کہ "جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے"۔ کم از کم مومنینِ پاکستان کو سکنڈل کی زرد صحافت زیب نہیں دیتی کیا واقعی یہ حضرات جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز سمجھتے ہیں؟ جب ان مومنینِ صحافت نے ملک کے دینی مذہبی اور ہم مسلک قومی راہنماؤں کی پگڑیاں اچھالنے سے احتراز نہیں کیا، دشنام طرازی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور ان سے بعض جھوٹی اور بے بنیاد باتیں منسوب کرتے ہوئے ان کے ضمیر میں خلش نہیں پیدا ہوئی تو کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کے وہ مخلص اور بے لوث ارکان جو ان کے مذموم مقاصد کی راہ میں عرصہ دراز سے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں انہیں یہ اپنے ناوک کا نشانہ کیوں نہ بناتے؟ کیوں کہ اب تو سیاں جی کوتوال ہیں اور

انہیں ڈر کا ہے کا ہے۔ یہی وجہ ہے اب ان کی منقاریں باہر نکل آئی ہیں۔ اور ان کی کڑوی ختم ہو گئی ہے۔ وہ جانتے ہیں ان کا ایک حملہ کامیاب ہو چکا ہے اور یہ دوسرا حملہ بھی یہ لوگ اسی خبثِ باطن اور سنگدلی سے کسی خاص مقصد کے تحت کر رہے ہیں تاہم انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا میں مکافاتِ عمل بھی ہوا کرتا ہے۔ آج نہیں تو کل انہیں اپنے کیئے پر پچھتانا اور پشیمان ہونا پڑے گا۔ انسانی ضمیر ہر دور میں زندہ رہا ہے

معاصرِ زندگی، اکتالیس اساتذہ کے دور دراز مقامات پر تبادلے کروا کے جس طرح ان اساتذہ کے اہلِ خاندان کے لئے بے پناہ مالی مشکلات اور پریشانیوں کا باعث بنا ہے۔ یہ ان کیلئے ایک ایسا کلنک کا ٹیکہ ہے جس کی سیاہی عرصہ دراز تک نہ مٹ سکے گی۔ اس غیر انسانی، غیر اصولی اور سفاکانہ فعل پر ملک کے مختلف الخیال افراد اور اکابرینِ سیاست نے جس انسانی ہمدردی اور دردمندی سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ انسانی اور جمہوری اصولوں کی روشنی میں اس غیر انسانی فعل کی مذمت کی ہے اور تبادلے واپس لینے کا مطالبہ کیا ہے، چاہیئے تو یہ تھا کہ معاصرِ زندگی، اور اس کے سازشی عناصر ان بیانات اور آراء کی روشنی میں اپنے ضمیر ٹٹولتے، اپنی تنگ دلی اور کج فکری کی اصلاح کرتے اور اذیت پسندی جیسے مہلک نفسیاتی عارضے سے نجات حاصل کرتے لیکن افسوس! دلوں پر جب قفل پڑے ہوں اور ذہن، انسانی اور جمہوری اقدار کی تفہیم سے گریزاں ہے تو پھر مریض مومنین کی حالت "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق ہو جاتی ہے۔

اس حقیقت کی بہترین مثال اس ہفت روزے کا تازہ ترین شمارہ ہے اس شمارے میں نواب زادہ نصر اللہ خان ملک محمد قاسم اور مولانا عبدالستار خان نیازی جیسے اکابرینِ سیاست کو بھی آڑے ہاتھوں لیا گیا۔ اس ضمن میں ان کی منفرد رائے اور فیصلے کی براہِ راست توہین کی گئی ہے۔ انہیں بچوں کی طرح سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اس طرح جیسے وہ حالات وواقعات سے بالکل ہی نابلد ہیں۔ اس نوع کے مسائل و معاملات میں گویا ان کے پاس نہ تو کسی قسم کا شعور ہے نہ علم نہ ضروری معلومات اور نہ ہی وہ ان کی بطریق احسن تفہیم ہی کر سکتے ہیں اس ملک میں سارا علم اور شعور یا تو مدیر ہفت روزہ 'زندگی' کے پاس ہے یا اہالیان منصورہ کی کھوپڑیوں میں بند ہے باقی رہے دیگر اکابرینِ سیاست اور اربابِ علم فہم وہ سب کے سب ان حضرات کے مشوروں اور نصیحتوں کے محتاج ہیں۔ بالفاظ دیگر جو لوگ انفرادی رائے اور سوچ رکھتے ہیں وہ کافر و مردود ہیں گمراہ ہیں اور قابلِ گردن زدنی ہیں۔ ان حضرات کی لغت میں اختلافِ رائے کفر والحاد کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ تبلاتا ہے کہ مسلمانوں کے زوال میں ایسے ہی جاہ پرست ابن الوقت اور کافر گری کے فن میں یکتا علمائے بے عمل کا کردار رہا ہے۔ معاصرِ زندگی" اور ان کے حواری آج اس بیسویں صدی میں ہمارے ملک کے اندر وہی کردار ادا کر رہے ہیں۔ جو بنوامیہ کے دور میں ابن الوقت اور جاہ پسند علماء کی ایک جماعت "مرجیہ" کا نام دیا گیا تھا ادا کیا تھا۔ اسی طرح دورِ عباسیہ میں حنابلہ نے بھی یہی کردار ادا کیا تھا۔ حنابلہ اور اس کے پیروکاروں میں تشدد اور غلو کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر اس مسلمان سے قتال وجدال جائز سمجھتے تھے جو ان سے اختلافِ رائے کی جرأت کرتا تھا۔ تاہم منافقین کو یہ بات آج اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ بیسویں صدی جمہوری دور ہے ایک ہی سانس میں جمہوریت اور فسطائیت کی باتیں زیادہ دیر اور زیادہ دور تک نہیں چل سکتیں۔ جمہوریت اور انسان دوستی انسانی ضمیر کے لئے فطری تقاضے ہیں جن کو نظر انداز کرنا ذہنی پستی اور تنگ نظری کے اندھیرے میں بھٹکنے کے مترادف ہے۔ جن اکابرینِ سیاست نے اساتذہ کے تبادلے واپس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے دراصل اپنے ضمیر کے ان تقاضوں کے تحت ہی ایسا کیا ہے۔ معاصرِ زندگی، اور ان کے ہم پیشہ و ہم مشرب افراد جوان اساتذہ کی مخالفت، ان کے دور دراز مقامات پر تبادلوں اور ان کے معاشی قتل پر مصر ہیں وہ ضمیر و ذہن کی ان پستیوں اور اندھیروں ہی میں اگر بھٹکتے رہنا چاہتے ہیں تو انہیں ایسا کرنے سے کون روک سکتا ہے؟۔

ویسے مدیر" زندگی" کو ایک مخلصانہ مشورہ ہم بھی دینا چاہتے ہیں وہ یہ کہ کفر و الحاد اور تکفیر کی باتیں اب بڑی پرانی ہو گئی ہیں انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو اشتراکی روس سے بدظن کرنے کے لئے یہ تکنیک اس صدی کی تیسری دہائی میں ایجاد کی تھی بعد ازاں جب خود مسلمانوں نے مسلمانوں کو ملحد اور کافر قرار دینا شروع کر دیا تو کافر گری کا یہ ہتھیار غیر موثر ثابت کر رہ گیا۔ انجمن حمایت اسلام نے بھی ایسوسی ایشن کے خلاف یہی ہتھیار استعمال کیا تھا لیکن انجمن کی یہ تلوار مخالفین پر تو کیا گرتی خود انجمن ہی کو ہلاک کر گئی۔ لوگ "زندگی" کے ان مضامین کو پڑھ کر یہ کہتے ہیں۔ پہلے زمانے میں رسالے لکھ کر فتوے دیے جاتے تھے اور اب رسالہ نکال کر فتوے دیے جاتے ہیں۔ رہیں اخلاق باختگی کی داستانیں سنجیدہ اور اہل بصیرت حضرات انہیں پاکستانی فلموں کی کہانیوں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ کیوں اور کس کے ایماء پر لکھا جا رہا ہے۔ کس تکنیک سے لکھا جا رہا ہے۔ ان کے عزائم اور مقاصد کیا ہیں۔

ان کہانیوں کی تخلیق غالباً کچھ اس انداز میں کی جاتی ہے

نامہ نگار پوچھتا ہے "شیخ جی! یہ الف، تو بہت خطرناک اور فعال کارکن ہے نا! اس پر کیا الزام لگایا جائے"

"لکھ دو شراب پیتا ہے"

نامہ نگار کہتا ہے "استاد! "ب" پہ کوئی دفعہ نہیں لگ رہی ہے اب میں کیا کروں"؟

فرمایا جاتا ہے "اس پر دفعہ لگانا کون سا مشکل کام ہے یہ ناہنجار مخلوط تعلیم کے ادارے میں پڑھتا ہے لکھ دو یہ اپنی شاگرد لڑکیوں سے ہنس ہنس کر باتیں کیا کرتا ہے اور ثابت کر دو کہ یہ شراب و شباب کا رسیا ہے"

"یا استاد! جیم کی کردار کشی کیوں کر کی جائے"؟

"صاحبزادے! کچھ اپنی عقل سے بھی کام لیا کرو۔ اگر کوئی اور الزام نہیں تو بھٹو نوازی کا الزام تو ہمارے لئے تیر بہدف ہے ہی ورنہ فحش کلامی کا الزام تو لگا ہی سکتے ہو اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اسلام کی تضحیک و تمسخر اڑاتا ہوا دکھلا دو اور گواہ کے طور پر اپنے کیمپ کے کسی طالب علم کا نام ٹانک دو"

"لیکن شیخ جی لوگ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے وہ سوچیں گے کہ یہ لوگ اتنے بے عقل تو نہیں ہو سکتے کہ مسلمان طلبہ کے اجتماع میں کھلم کھلا شعائر اسلامی کا اس طرح مذاق اڑائیں اور......"

"برخوردار نامہ نگار! کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے۔ یہ نہ سوچو کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے اور میرے بھائی نے سکینڈل گھڑنے کی ٹریننگ یورپ اور امریکہ کے اداروں سے لی ہوئی ہے ہم دونوں اس فن میں یکتائے روزگار ہیں لوگ ہیجان انگیزی اور سنسنی خیزی چاہتے ہیں۔ چٹ پٹا مواد پڑھنا چاہتے ہیں۔ جھوٹ کو دلچسپ بنا کر پیش کرو اور جب ہم نے یہ طریقے اختیار کئے تو ہمارے رسالے اور ڈائجسٹ لاکھوں کی تعداد میں بکے۔ لوگ تحقیق کے جھمیلوں میں پڑنے نہیں پڑتے اسکنڈل اور دلچسپ جھوٹ پڑھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ ہم ان لوگوں کو حکومت کی نگاہوں میں لے آئیں تاکہ ان کے خلاف کارروائی کا ایک تحریری جواز بنایا جا سکے۔ ہمارا رسالہ اب اتنی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ تعلیمی حلقے اب اسے تعلیمی اداروں کا گزٹ نوٹیفکیشن کہنے لگے ہیں۔ اساتذہ اپنے متوقع تبادلے کی خبر اب ہمارے گزٹ نوٹیفکیشن میں تلاش کرتے ہیں۔ تم صرف ہماری ہدایات پر عمل کرو جس طرح ہم اوپر والوں کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں

بہر کیف ابھی ہمارے ترکش میں اور بھی بہت تیر باقی ہیں...

قابلِ غور بات یہ ہے کہ طلبا اور اساتذہ کی آنکھوں میں کس طرح دھول جھونکی جا سکتی ہے کیوں کہ یہ اپنے ان اساتذہ کو بہت قریب سے جانتے ہیں۔ معاصر زندگی کے مدیر سے زیادہ جانتے ہیں۔ بالخصوص اساتذہ کی اکثریت ان کی خدمات جرأت مندی اور قربانیوں اور پُر خلوص کاموں سے بطریقِ احسن اور عملی طور پر واقف ہے۔ وہ سقراط کو بھی جانتے ہیں اور سقراط کے دشمنوں کی کج فہمی اور کجروی سے بھی اچھی طرح روشناس ہیں۔ معصوم نوجوانوں کو "کرپٹ" کرنے کا الزام آج کوئی نیا الزام نہیں ہر دور میں بدنہاد اور بدنیت لوگ سقراط کو زہر پلاتے رہے ہیں اور منصور کو سولی پر چڑھاتے رہے ہیں۔ انسانی تاریخ ان واقعات سے بکھری پڑی ہے۔

اب رہا امریکی مداخلت پر قرار داد کا پاس ہونا تو اس ۲۳ رجون کو انتخابات کے موقع پر مجلس عاملہ میں بات ہو سکتی تھی۔ اگر "طوطا یونین" کے قائدین اساتذہ کے کاز اور ہمہ گیر اتحاد سے مخلص ہوتے اور اس ضمن میں اگر ان کا کوئی موقف تھا تو وہ مجلس عاملہ میں یہ سوال اُٹھا سکتے تھے قرار دادِ مذمت پاس کروا سکتے تھے اور اپنے دلائل موقف اور منطق سے اساتذہ کی جمعیت کو اپنا ہم خیال بنا سکتے تھے اگر اساتذہ کی اکثریت ان کے نقطہ نظر سے متفق ہو جاتی تو تنظیم کی قیادت میں تبدیلی لانے کا یہ ایک سنہرا موقع تھا لیکن وہ نہ تو اساتذہ کے وسیع تر اتحاد اور مفاد کے لئے مخلص تھے اور نہ ہی اس قرار داد کی مخالفت میں جذبہ خلوص رکھتے ہیں وہ تو خفیہ ہدایات کے بموجب ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کام کرنے آئے تھے اور اس کام کی مرحلہ وار تکمیل کر کے واپس چلے گئے۔ شاید یہاں اس حقیقت کی نشاندہی کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ ان میں سے اکثر حضرات مجلس قائمہ کے باقاعدہ رکن رہے ہیں۔ جب کبھی ان میں سے کسی پر کوئی افتادہ پڑی ہے یا کوئی ذاتی یا گروہی مقصد حاصل کرنا رہا ہے تو یہ حضرات باقاعدگی کے ساتھ دوستوں اور ممبرین کے ساتھ میٹنگ میں حاضری دیتے رہے ہیں اور اپنے حق میں قرار دادیں پاس کرواتے رہے ہیں۔ لیکن جوں ہی یہ مقصد حل ہو جاتا تھا تنظیم کی سرگرمیوں اور میٹنگوں سے یہ حضرات غائب ہو جایا کرتے تھے۔ اگر یہ لوگ اسی انہماک اور خلوص سے تنظیم کی سرگرمیوں اور میٹنگوں میں دلچسپی لیا کرتے تو بروقت اظہار خیال کر کے وہ دوسروں سے اپنا نقطہ نظر منوا سکتے تھے اساتذہ کی یہ تنظیم ہمیشہ مختلف الخیال افراد کا مشترکہ فورم رہی ہے اور آج بھی ہے اس تنظیم کی قیادت ہمیشہ محبِ وطن مخلص اور جمہوریت پسند افراد پر مشتمل رہی ہے۔ جمہوری تنظیموں میں نقطہ نظر کا اختلاف ہمیشہ فکر و عمل کی غلطیوں کی اصلاح کرنے کا موجب بنتا ہے۔ حب الوطنی کے تحت اگر کچھ اراکین نے نہایت خلوص سے ایک موقف اختیار کیا تھا تو دوسرے لوگوں کو خلوصِ دل سے اس موقف کی تکذیب کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن یہ مفاد پرست تخریبی عناصر خود غرضی اور ذاتی مفاد کے خول میں گھسے رہتے تھے بدستور بے حسی اور بے عملی کا مظاہرہ کرتے رہے اور آج یہ ابن الوقت لوگ ہوا کا رُخ دیکھ کر مختلف حیلوں بہانوں سے تنظیم کے عظیم تر اتحاد کو ختم کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں اس تنظیم کی قیادت محبِ وطن افراد پر مشتمل ہے اور جب بھی ملک و قوم کی تباہی کے امکانات پیدا ہوئے۔ یہ قیادت سیاسی گروہوں اور پارٹیوں کی باہمی کشمکش سے آزاد اور بالاتر رہ کر ملک و قوم کے اجتماعی مفادات کے لئے اپنی آواز بلند کرے گی۔ ایک مخصوص سیاسی جماعت کے ہاتھوں بیعت نہ کرنا، اس کی سیاست اور قیادت قبول نہ کرنا اور اس کی مذموم سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے انکار کرنا اگر سیاست میں ملوث ہونے کے مترادف ہے تو اس الزام کی مطلق پرواہ نہیں کی جائیگی کیوں کہ اساتذہ کی یہ تنظیم نہ کسی سیاسی پارٹی کا ذیلی ادارہ ہے اور نہ ایسا کبھی ہونے دیا جائے گا۔ اساتذہ کے مجموعی مفادات سے وابستہ یہ مختلف الخیال افراد کی تنظیم ہے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ اساتذہ کے مجموعی مفادات کے لئے یہ تنظیم کسی مرحلے پر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی ●●

سانگھڑ

# اہلیت نہیں "نذرانہ" وزارت کا فیصلہ کرے گا

سہیل سعدی

گذشتہ دنوں چار رکنی قومی اتحاد اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے درمیان حکومت میں شمولیت کے مسئلے پر متعدد بار مذاکرات ہوتے، ٹوٹنے اور پھر جڑنے اور ایک دوسرے سے وضاحتیں کرنے اور کروانے کے بعد آخر کار تمام باتوں پر اتفاق ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں مارشل لاء کے سائے تلے وفاقی کابینہ نے حلف اٹھا لیا ہے۔ ابھی تک سرکاری طور پر صوبائی کابینہ کے سلسلے میں کوئی واضح اعلان نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن سندھ کے اتحادی وڈیروں کی صوبائی وزارت کی حصول کی بھاگ دوڑ سے پتہ چلتا ہے کہ صوبائی کابینہ بھی عنقریب تشکیل دی جانے والی ہے۔ اس ضمن میں مسلم لیگ ضلع سانگھڑ دو گروہوں میں بٹ چکی ہے اور گروہ بندی اور توڑ جوڑ اپنے عروج پر ہے۔

ایک گروپ کی قیادت شہداد پور کے میر محمد وسان کر رہے ہیں جنہیں سانگھڑ سے خدا بخش نظامانی اور دھنی بخش نظامانی جو پیر صاحب پگارا کے بااثر خلیفہ اور گزشتہ انتخابات میں قومی اتحاد کے ٹکٹ پر قومی و صوبائی اسمبلی کے امیدوار تھے کے علاوہ مسلم لیگ صوبہ سندھ کے صدر ذوالفقار علی شاہ جاموٹ جو خود بھی مسلم لیگ کے کوٹے سے صوبائی کابینہ کے سینئر منسٹر کے امیدوار ہیں کی حمایت بھی حاصل ہے۔ جب کہ دوسرے گروپ کی نیابت سانگھڑ کے وفاقی وزیر ریلوے محمد خان جونیجو کے ہاتھ میں ہے۔ انہیں عبدالقادر سنجرانی کے علاوہ انور نظامانی، یاسین نظامانی اور ستار نظامانی جیسے پر جوش نوجوان اور پیر صاحب کے دیگر سرکردہ خلیفاؤں کی حمایت حاصل ہے۔

ضلع سانگھڑ کے عبدالقادر سنجرانی جو ایوبی آمریت کے دور میں مغربی پاکستان کے وزیر صحت رہ چکے ہیں اور میر محمد وسان جو گذشتہ انتخابات میں حلقہ شہداد پور سے قومی اتحاد کے صوبائی وزیر تھے۔ دونوں حضرات صوبائی وزارت کے امیدوار ہیں۔ دونوں کا تعلق پیر صاحب کی مریدی کے ناطے مسلم لیگ سے ہے اور دونوں ہی پیر صاحب کے بااثر مریدوں اور متعدد خلیفاؤں کے ذریعے انہیں اپنی اپنی قربانیاں، فرمانبرداریاں اور وفاداریاں یاد دلا کر اپنے حق میں پیر صاحب کو رام کرنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں۔

باخبر ذرائع کے مطابق "نظامانیوں" کا کہنا ہے کہ ضلع سانگھڑ سے مسلم لیگی کے کوٹے پر وفاقی وزارت میں محمد خان جونیجو کو لیا جا چکا ہے لہٰذا صوبائی کابینہ میں میر محمد وسان کو لیا جانا

# بلدیہ نواب شاہ نے شہر میں گندگی پھیلانے کا فرض بخوبی ادا کیا ہے

## ان سفید ہاتھیوں سے کروڑوں روپے کا حساب کون دے گا

ابن صحرا

وادیٔ مہران کے قلب میں واقع نواب شاہ کے ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی لیاقت مارکیٹ کی عقبی دیوار کے اوپر مین گیٹ پر زمین سے تقریباً بارہ فٹ کی اونچائی پر آپ کو بلدیہ نواب شاہ کی جانب سے آویزاں بورڈ نظر آئے گا۔ جس پر جلی حروف سے عبارت نظر آئے گی "صفائی ہمارا قومی فریضہ ہے"۔ چونکہ جملہ ادھورا ہے اس لئے ہم جیسے اناڑی لوگ شاذو نادر ہی اس کا مطلب و معنیٰ سمجھ پاتے ہیں اور اسی کم عقلی اور ناسمجھی کی بدولت ہم نے اسے مختلف معنیٰ پہنائے ہیں۔ رہا بلدیہ کی عبارت کے لفظ "صفائی" کا سوال تو یقیناً بلدیاتی زبان میں اس کے معنیٰ کوڑے کرکٹ، نالیوں و نالوں اور شہری صفائی سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو قیام پاکستان کے ۳۱ برس بعد بھی شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پانچ ہزار سالہ قدیم دیس کا موجودہ حشر ہرگز نہ ہوتا۔ اس ضلعی ہیڈ کوارٹر کے موجودہ "اے کلاس" بلدیہ بننے سے پہلے کئی پرانے پیرہن جیسے کہ نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی، میونسپل بورڈ نواب شاہ میونسپلٹی اور پیپلز میونسپل کمیٹی، پیپلز میونسپل کمیٹی کا پیرہن کافی منصوبہ بندی اور مخصوص مفادات کے تحت اوڑھا گیا تھا۔ کیوں کہ اس خالص عوامی خدمت کے ادارے کو "اے کلاس میں شمار کرانا تھا" جس کے لئے خسارے تک کا بجٹ بنایا گیا اور مختلف محصولات کا چارٹ اور مزید اسامیوں کی گنجائش نکال کر اپنے چہیتے لوگوں کو کھپانے کی کوشش کی گئی۔ بلدیہ کو اگر شہر اور شہریوں کی صفائی کا اتنا خیال ہوتا تو ناقص زیر زمین ڈرینج سسٹم اور سطحی نالی سسٹم کے نظام آج ان شدید بارشوں میں قطعی ناکارہ نہ ہو پاتے اور اس طرح کروڑوں روپے کی رقم خس و خاشاک کی طرح اندر ہی اندر لاوے کی طرح پگھل کر شہری تعمیرات اور شہریوں کی مشکل پریشانی اور تباہی کا باعث نہ بنتی۔ بلدیہ کے فرائض میں صفائی کا لفظ شامل ہوتا تو شہر بھر کے فٹ پاتھ جو شہریوں کی سہولت کی خاطر لاکھوں روپے کے صرفے سے تعمیر کئے گئے تھے، محض چند سکوں کی لالچ میں دوکانداروں اور بھانت بھانت کے لوگوں کے ذریعہ قبضے کرا کر صفائی اور خوب صورتی کو یوں ملیا ملیٹ نہ کیا جائے۔ صفائی ہی مقصود ہوتی تو شہر کے مختلف وارڈوں میں بلدیاتی زمینوں کے ناجائز قابضین بلدیہ کے منشیوں اور زمینداروں کے منہ بند کر کے برسوں سے ان پر ناجائز تعمیرات کر کے کروڑوں روپے کا مال ہرگز ہضم نہ کر پاتے۔ اور نہ ہی تعمیراتی ٹینڈروں کی منظوری سے ایک ایک ماہ قبل اپنے چہیتے ٹھیکیداروں کو ٹھیکے دے کر ناقص کام کروا کے قومی دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹانے کی سعی کی جاتی۔

بارہا کاغذی پلاؤ پکائے گئے۔ کبھی سیاحوں کے لئے ایک اعلیٰ و عمدہ قسم کا سینٹرلی ائرکنڈیشنڈ مثالی ہوٹل کی تعمیر کا اعلان، کبھی شہری حدود کو بسوں، ٹرکوں اور بھینسوں کے اڈوں سے پاک کرنے انہیں شہری حدود سے باہر کرنے کے منصوبے، تو کبھی اعلیٰ و ارفع قسم کے شاپنگ سینٹروں اور فلیٹوں کی تعمیر کی اسکیمیں بنائی گئیں۔ لیکن برسہا برس گذرنے کے باوجود کچھ بھی نہ ہو پایا۔ زور دیا گیا اور کام کرایا گیا تو ایسے منصوبوں اور اسکیموں پر جن سے بلدیاتی ناخداؤں کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ ورنہ بیچارے شہری تو ٹیکس ادا کر کے تنگ، حیران و پریشان ہیں۔ ادھر بلدیہ شہری تعمیر و ترقی تو کجا بارش کا گندا پانی اور کوڑا کرکٹ صاف کرانے میں بھی مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ گویا بلدیاتی عبارت کا مقصد محض ہاتھ کی "صفائی" سے ہے۔ اگر واقعی اس عبارت سے بلدیہ کا مقصد یہی ہے تو ہمیں یا کسی بھی شہری کو کسی قسم کا اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس لئے کہ ہاتھ کی صفائی کے معاملات میں ہماری بلدیہ کا ادنیٰ و اعلیٰ کارندہ اتنا ماہر ہے کہ ریکارڈ کا ریکارڈ غائب حتیٰ کہ بلدیہ کی بجلی کا سامان بھی یوں غائب ہو جاتا ہے کہ تحقیقاتی افسر سر مارتا رہ جاتا ہے۔ مگر مجال ہے کہ سرے سے سراغ مل جائے۔ واٹر سپلائی سے جائز طور پر کنکشن منگیئے تو جوئے شیر لانے کے مترادف، جب کہ مٹھی گرم کرنے سے دوہرے فائدے حاصل ہو جاتے ہیں۔ مٹھی گرم ہو جائے تو بلدیہ کے بڑے سے بڑے پلاٹ بنے بنائے تفریحی پارک، پوری کی پوری سڑک اور دیگر تعمیرات پر آپ کا قبضہ جائز ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف آپ کی جائز ملکیت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

ہاتھ کی صفائی کا یہ عالم ہے کہ ایک لاکھ کی شہری آبادی کے لئے بلدیہ کی تین ڈسپنسریوں کو ادویات کی خریداری کے لئے پچھلے سال صرف ۳۳ ہزار روپے اور رواں مالی سال میں ۴۸ ہزار روپے مخصوص کئے گئے ہیں جب کہ بلدیاتی عملے کی ماہانہ تنخواہوں پر ایک انتہائی گراں رقم یعنی پونے تین لاکھ روپے رکھے گئے ہیں اب آپ ہی اندازہ لگائیے کہ جس بلدیہ کی بنیاد کی آبیاری یہاں کی آبادی اپنے خون سے کر رہی ہے اس کے نگہبان لومڑی کی سی عیاری اور دیمک کی طرح چاٹ چاٹ کر اسے زمین بوس کر رہے ہیں۔ بلدیاتی آمدنی میں پچاس فی صد آمدنی دیہاتی بھائیوں سے وصول کی جاتی ہے۔ ان ہی کے دم خم سے ہمارے جسم کی شہ رگوں میں خون گردش کر رہا ہے۔ ہمارے شہروں کی چکاچوند کرنے والے ترقی کا راز ہے۔ لیکن ان بیچاروں کے لئے ایک سادہ سا سائبان تک نہیں بنایا گیا جہاں گرمی یا جاڑے کی موسموں میں کچھ دیر آرام اور سکون کی چند سانسیں لے سکیں۔ جب بھی ان مظلوموں کا یہ سوال انتظامیہ کے سامنے آیا تو انہوں نے یہ ذمہ داری کبھی ضلع کونسل پر ڈال دی تو کبھی فنڈ کی کمی کا رونا رو کر اسے معرض التواء میں ڈال دیا۔ پھر پریس کانفرنسوں اور اخباری بیانوں کے ذریعے شاید سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً ان دیہاتیوں کی بھلائی کے لئے تعمیرات کے اعلانات کئے گئے لیکن عملی قدم اٹھانے سے آج تک گریز کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آئے سال بیچارے یہ دیہاتی اس امید کے ساتھ شہری حدود میں پہلا قدم رکھتے ہیں کہ شاید اب کوئی ایسی جگہ بن گئی ہو جہاں وہ اپنی سواریاں کھڑی کر کے اپنے افراد خانہ کے ساتھ چند گھڑیاں آرام سے گذار سکیں۔ لیکن وائے ناامیدی کہ حسرت حسرت ہی ہوتی ہے۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ ہاشمی خاندان کے ایک جیالے سپوت سید نواب شاہ کے نام پر یہ شہر بنا تھا۔ اس شہر کے والی وارثوں میں سید نواب شاہ، سید بدھل شاہ اور سید غلام حیدر شاہ جب تک بقید حیات تھے، یہ شہر شہر تھا۔ یعنی والی وارثوں کا شہر۔ مجال تھی کسی سرکاری یا غیر سرکاری اہلکاروں کی کہ شہر کی ترقی و تعمیر کے برعکس

کچھ کرے یا سوچے۔ یا کسی شہری کو ناجائز پریشان کرے یہ سلسلہ سید غلام حیدر شاہ کی جوانی تک چلا لیکن مرحوم نے عمر کے آخری ایام میں چونکہ درویشی اختیار کر لی تھی۔ اس لئے شہر اور شہری لاوارث ہو گئے۔ شہریوں کو امید تھی کہ نواب شاہ کے پڑ پوتے سید غلام رسول شاہ اپنے شہر کی دیکھ بھال اور شہریوں کے حقوق کے ضرور پاسبان بنیں گے لیکن اس نوجوان سیدزادے نے بھی شاید جہاں سازی کو مصلحت سمجھ کر اس ذمہ داری سے مکمل طور پہلو تہی کی ہے ورنہ آج بھی اگر وہ اٹھ کھڑے ہوں تو پورا شہر ان کے دست و بازو بن سکتا ہے۔

---

# تمام ترقی پسند ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں

## عبدالوحید ایڈووکیٹ

پاکستان سوشلسٹ پارٹی سرحد کے سکریٹری جنرل عبدالوحید ایڈووکیٹ کو ۲۷ اگست کو حکومت کی طرف سے مقدمات واپس لینے کے بعد سینٹرل جیل پشاور سے رہا کر دیا گیا۔ انہیں ۱۳ جون کو محنت کشوں کے مفاد میں کام کرنے کے "جرم" میں گرفتار کر کے مالاکنڈ پہنچا دیا گیا تھا۔ ۳۱ اگست کو سوشلسٹ پارٹی پشاور کے کارکنوں نے اُن کے اعزاز میں ایک افطار پارٹی کا اہتمام کیا۔ چنانچہ اُس دن ترقی پسند سیاسی پارٹیوں کے درمیان یگانگت و اتحاد کا ناقابلِ فراموش منظر دیکھنے میں آیا۔ پارٹی میں پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے ورکروں کے علاوہ انجمن نوجوانانِ پاکستان کے محمد خان کاکا مزدور کسان پارٹی کے بنگش گروپ کے مسلم شاہ، مزدور کسان طلبا عوامی رابطہ کمیٹی کے سید مختار باچا اور پاکستان پیپلز پارٹی کے ڈپٹی جنرل سکریٹری خان بہادر خان ایڈووکیٹ بھی شامل ہوتے محمود خان نے کہا کہ موجودہ حکومت نے سرحد کے ترقی پسند کارکنوں کے خلاف نام نہاد مالاکنڈ سازش کیس بنا کر پارٹی کے صوبائی سکریٹری جنرل جناب عبدالوحید ایڈووکیٹ کو پابندِ سلاسل کر دیا تھا۔ ان کے علاوہ اس کیس میں دیگر کئی کارکنوں کو بھی ملوث کیا گیا۔ اور کئی غیر سیاسی افراد کو بھی مقدمہ میں ملوث کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ سوشلسٹ پارٹی کے صوبائی سکریٹری کے خلاف مقدمہ عدالت عالیہ میں رٹ درخواست کی وجہ سے واپس لے لیا گیا ہے۔ مگر مالاکنڈ کی انتظامیہ سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ اس نے ایک نام نہاد مقدمہ بنوا کر ڈھائی ماہ تک ایک بے قصور شہری کو کس سلسلے میں قید کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور کیا؟ انہوں نے کہا کہ اب یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ مالاکنڈ سازش کیس کی تہہ میں مقامی انتظامیہ کے اپنے 'مفاد' پوشیدہ تھے۔ اور جناب عبدالوحید ایڈووکیٹ کے خلاف مقدمہ واپس لینے کے بعد اس مقدمہ میں ماخوذ تمام ملزمان بلا وجہ جیل میں ہیں۔ محمود خان نے مطالبہ کیا کہ تمام محنت کشوں، صحافیوں اور اسیرانِ مالاکنڈ کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔ پاکستان سوشلسٹ پارٹی سرحد کے سکریٹری جنرل نے اُن تمام دوستوں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ان کے کیس کے سلسلے میں کسی طرح سے بھی پارٹی کے ورکروں کی مدد کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ آئندہ اس قسم کے مقدمے ترقی پسند کارکنوں کے خلاف بنائے جائیں تو بائیں بازو کی تمام پارٹیاں مشترکہ طور پر ان کا دفاع کریں۔ انہوں نے مزدور کسان پارٹی کے سربراہ اور جناب عبداللطیف آفریدی ایڈووکیٹ کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آج پاکستان جن مسائل سے دوچار ہے۔ ان کو صرف اور صرف پاکستان سوشلسٹ پارٹی اور بائیں بازو کی دیگر پارٹیاں ہی حل کر سکتی ہیں۔ کیونکہ یہی پارٹیاں یہاں کے محنت کشوں کے مفاد کی نمائندہ ہیں۔ سوشلسٹ پارٹی کے سکریٹری جنرل نے کہا کہ گذشتہ ۳۱ سالوں کے دوران تمام سیاسی جماعتوں بیوروکریسی اور مارشل لا حکومتوں کے پاکستان اور اس کے عوام کے مسائل کے حل کرنے میں ناکام ہونے کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب وطنِ عزیز کے مسائل کا حل انقلابی، سماجی و اقتصادی تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں۔ انہوں نے کہا کہ سوشلزم سے کسی مذہبی جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچتی بلکہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے مفادات کو خطرہ ہوتا ہے۔ سوشلسٹ پارٹی کے سکریٹری جنرل نے کہا کہ سوشلزم کی جنگ مذہب کے خلاف نہیں۔ بلکہ بھوک، ننگ، غربت، جہالت کے خلاف ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج محنت کشوں کی بڑھتی ہوئی قوت کا یہ زندہ ثبوت ہے کہ حکومت میرے خلاف مقدمات بنانے پر مجبور ہوئی۔ آخر میں مطالبہ کیا کہ مالاکنڈ سازش کیس میں ملوث تمام اسیروں کو رہا کیا جائے۔ اجلاس نے ملک میں گرفتار شدہ تمام سیاسی اسیروں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ صحافیوں کی جدوجہد سے یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ پی ایف یو جے اور ایپنک کے آٹھ نکاتی مطالبات اور عوامی جدوجہد کے چھ نکاتی مطالبات فی الفور تسلیم کئے جائیں۔

---

# بزنجو کا بیان "سچائی ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے"

## ملک کو قومیتوں نے نہیں، ایک طبقے نے لوٹا ہے

**ایس، ایچ خان**
**راولپنڈی**

میر غوث بخش بزنجو کے بیانات نظر سے گزرے، ان کی باتوں میں ماضی کی تلخیوں کی کاٹ محسوس ہوتی ہے سچائی ہمیشہ کڑوی ہی ہوتی ہے۔ البتہ کڑوی دوا کو میٹھی گولی کی شکل میں ہی نگلا جا سکتا ہے۔ لیکن آج ہم ایک ایسے موڑ پر آ پہنچے ہیں جہاں وسیع القلبی سے صرف اپنے ہی نہیں تمام قوم کے لئے سوچنا پڑے گا۔ ہم سب ایک ہی کشتی میں سوار ہیں اور ہمیں اس وقت اپنی اپنی حفاظت کے لئے پوری کشتی کے بچاؤ کا سامان کرنا ہے۔ نیز پاکستان کے اندر قومیتیں ایک فرسودہ اصطلاح بن چکی ہے۔ یہاں وطنِ عزیز کے اندر دو اور صرف دو طبقات نظر آتے ہیں۔ ایک مٹھی بھر اقلیت جو ہوسِ زر اور اقتدار کے لئے ایمان کا بھی سودا کر بیٹھی ہے اور وطنِ عزیز کی آزادی کو بھی داؤ پر لگانے کو تیار ہے دوسری طرف وہ بھاری اکثریت ہے۔ جو گذشتہ ربع صدی سے محرومیوں اور ناکامیوں کا مسلسل شکار رہی ہے پنجاب ہو یا سندھ، سرحد ہو یا بلوچستان ہر جگہ یہی دو طبقات نظر آتے ہیں۔ مفاد پرستوں کی نہ کوئی خاص نسل ہوتی ہے نہ قومیت۔ اسی طرح مظلوم طبقات کے درمیان صوبائی اور نسلی دیواریں کھڑی کر کے ظلم و استبداد کا مداوا نہیں کیا جا سکتا۔ شاید اس سے پہلے

کبھی بھی پاکستان کو اتحاد اور یک جہتی کی اس سے زیادہ ضرورت پیش نہیں آئی۔ ادھر پنجاب لیڈرشپ کے صد سالہ بحران میں مبتلا ہے۔ یہاں اچھے فوجی اور بھلے برے انتظامیہ کے اہل کاروں کی کمی نہیں۔ لیکن سیاست کے میدان میں شہ سواری کے نام پر گرتے پڑتے سوار ہی میدان مارنے کی کوشش ناکام کرتے رہتے ہیں

بلوچ قومیت کی دو ہزار سالہ تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ مشکل کے وقت وہ جان و مال کو داؤ پر لگا کر عہد وفا کو نبھاتے چلے آتے ہیں۔ افراسیاب ہو یا نوشیرواں۔ یا میانی کے میدان میں انگریز کی طاقت کا مظاہرہ۔ بلوچ کٹ مرتا ہے۔ مگر پائے استقلال میں لغزش کبھی نہ آئی۔ آج وطن عزیز پر ایک ایسا ہی وقت آن پڑا ہے اور بلوچ رہنماؤں نے دستور سے نہیں ملک و قوم سے حلف وفاداری اٹھایا ہے اور اس کو نبھانا ان پر لازم ہے۔

میر صاحب نے ۱۹۷۳ء میں اپنی دانش مندی اور فراست سے کام لے کر دستوری مذاکرات کامیاب بنائے ولی خاں تب ہی سے بلوچ رہنماؤں کے درپردہ خون کے پیاسے ہیں۔ کہ ان کے تخریبی منصوبے کے اندر پھوٹ اور افہام و تفہیم کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اور بلوچستان کے رہنماؤں نے سمجھوتہ کر کے ان کی منفی ذہنی صلاحیتوں کو کھلا چیلنج دے دیا تھا چنانچہ بعد میں منظم سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے اس دانش مندانہ سمجھوتہ کے تار و پود بکھیر دیئے گئے۔

آج پھر قوم پر مشکل وقت آن پڑا ہے اور مظلوم محروم طبقہ بے دست و پا ہوتا جا رہا ہے۔ مفاد پرست اسلام اور حب الوطنی کا لبادہ اوڑھے اقتدار اعلیٰ پر قابض ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ وقت قومیت اور صوبائی گروہ بندی کا ہرگز نہیں ہے۔ ہم ایک انتہائی نازک موڑ پر کھڑے ہیں۔ ذرا سی لغزش قوم و ملت کے لئے ہلاکت اور تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ عوام پنجاب کے ہوں یا سندھ کے، سرحد کے یا بلوچستان کے ہمیں ان محنت کشوں کا قرض چکانا ہے۔ ان سے باندھا ہوا، وطن سے باندھا ہوا پیمان نبھانا ہے۔ قوم کو قد آور۔ نہ بکنے والے اولوالعزم مدبرین کی ضرورت ہے۔ جو ان کی مشکلات کو سمجھ سکیں۔ ان کے درد کو محسوس کر سکیں اور اُن کے درد کا مداوا کر سکیں۔ اور لیڈرشپ کے موجودہ خلا کو صرف بلوچ رہنما ہی پُر کرنے کی بدرجۂ اتم صلاحیت رکھتے ہیں۔ ملک باقی ہے۔ خوشحال ہے تو لامحالہ صوبے بھی ترقی کر سکیں گے۔ قومی سطح پر عدل و انصاف کا دور دورہ ہو تو ہر صوبہ ہر قومیت اس سے مستفیض ہوگی۔ بلوچ رہنما کہتے رہے ہیں کہ تمام صوبے اگر جلتے رہیں تو ہم بلوچستان کو پاکستان کا نام دے دیں گے۔ آج اس جذبۂ وطن پرستی کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آگیا ہے۔ ہمارے دائیں بائیں بازو کی اصطلاح راس نہیں آئی۔ اسلام تنازعہ فیہ مسئلہ نہیں ہے۔ رجعت پسند اسلام کی آڑ میں مفاد پرستوں کو کندھا دے رہے ہیں اور ناجائز کسب معاش کو حلال و جائز قرار دینے پر تُلے ہوتے ہیں۔ ترقی پسند جماعتیں سلطانیٔ جمہور کی قائل ہیں۔ پاکستان کا محنت کش اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ صوبائی سرحدیں نظر انداز کر کے قومی سطح پر شیرازہ بندی کر کے ہی بندۂ مزدور کو اس کا جائز حق دلوایا جا سکتا ہے۔

---

# چھوٹا بڑی بات

## ابوضیا اقبال

مروجہ سیاسی اصطلاحوں اسلامی سوشلزم، مساوات محمدی، نظام مصطفیٰ، احتساب، ناہی وغیرہ میں ایک اور اصطلاح "قرطاس ابیض" کا اضافہ ہوا ہے۔ حکومت یعنی حکمرانوں نے ایک کے بعد دوسرا قرطاس ابیض شائع کیا تو جمعیت علمائے پاکستان نے وزرا کے بیانات پر مبنی قرطاس ابیض شائع کرنے کی دھمکی دے دی۔ اس کے فوراً بعد ہی کراچی کے طلبا کی چھ تنظیموں نے ایک مشترکہ بیان میں تعلیمی اداروں کے بارے میں قرطاس ابیض شائع کرنے کا مطالبہ داغ دیا۔ "فسانۂ آزاد" کے میاں خوجی کی وجۂ شہرت تو داستانیں پڑھنے والوں کو معلوم ہی ہے کہ جہاں کوئی بات خلاف مزاج ہوئی اور وارننگ دی کہ "نکالوں قرولی؟" چنانچہ اگر اب یہ نئی اصطلاح چل پڑی تو لوگ اپنے مخالفوں سے کہیں گے "چھاپوں تمہارا قرطاس ابیض؟"

---

حوالات میں بڑے بڑے رموز و اسرار کی گرہیں کھلتی ہیں۔ چنانچہ جب بہاولپور کے ہفت روزہ "دستور" کے سب ایڈیٹر جناب محمد زاہد سے کراچی کے ایک تھانے میں اخبار نویسوں سے پوچھوایا گیا کہ ان پر اپنیک اور پی ایف یو جے کے غلط راستے پر چلنے کا انکشاف کب ہوا، تو انہوں نے جواب دیا، "حوالات میں"۔ پھر وضاحت کی کہ وہاں انہیں غور و فکر کا موقعہ ملا (جنگ، ۲۱ اگست) تو جناب دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں، ادیبوں اور شاعروں وغیرہ سے گذارش ہے کہ ہنگاموں سے پُر روز و شب میں لگے ہاتھ حوالات جانے کی عادت ڈالئے کہ اگر کوئی عقدہ سر پر آن گرے اور غور و فکر کے لئے کوئی مناسب جگہ نہ ملے تو ایک گوشۂ عافیت میسر آسکے۔ حوالات جانے کے لئے جرم کرنے کی شرط نہیں ہے بلکہ کسی کجکلاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھئے اور گوہر مقصود فٹ سے آپ کی گود میں۔

---

معلوم ہوتا ہے کہ پی آئی اے کی ٹریفک اسسٹنٹ کی وردیاں اس کے اسٹور سے دھڑا دھڑ نکل کر باہر آرہی ہیں یا کسی ماہر درزی نے ان وردیوں کا باقاعدہ کاروبار شروع کر دیا ہے۔ کیونکہ ایرپورٹ سے یکے بعد دیگرے دو جعلی ٹریفک اسسٹنٹ پکڑے گئے۔ محمد عثمان اور محسن عباس ٹریفک اسسٹنٹ کی وردیوں میں باقاعدہ "ڈیوٹی" انجام دے رہے تھے۔ پی آئی اے کو فوراً اپنے اسٹور کی پڑتال کرتے ہوئے ہر ملازم پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے مبادا کوئی "پائلٹ" ایک آدھ طیارہ لے اُڑے یا کوئی پری چہرہ "ایئر ہوسٹس" مسافروں کو مشروبات پیش کرتے ہوتے کاریگری دکھا دے یا کنٹرول ٹاور میں کوئی باوردی صاحب دو جہازوں کے ٹکرانے کے منظر سے لطف اندوز ہونے کی کوشش فرمائیں۔

---

جمعیت علمائے پاکستان کے جناب شاہ احمد نورانی اور جمعیت علمائے اسلام کے جناب مفتی محمود میں کابینہ بنتے ہی چھیڑ خوباں سے زوروں پر چل پڑی ہے۔ چونکہ یہ علمائے کرام کا داخلی عالمانہ معاملہ ہے، ہم جیسے ایروں غیروں نتھو خیروں کو دخل اندازی کی ضرورت نہیں ہے تاہم قربانی کے بکروں کو آنکھیں اور کان کھلے رکھنے کی اجازت تو بہرحال ہوتی ہے اور اس حوالے سے جناب مفتی کا یہ فتویٰ کہ چونکہ نورانی میاں پاکستان دشمنوں سے اتحاد نہیں کرنا چاہتے، وہ بھٹو کو پاکستان

دشمن نہیں سمجھتے ہیں۔ اور جناب نورانی کا یہ چیلنج کہ جناب مفتی فتووں کی بات نہ کریں ورنہ وہ ان ہی کے فتووں سے ان کی تصویر دکھا دیں گے اور جناب پیر پگارا کی موجودگی میں جناب مفتی کا اظہارِ خوشی و اطمینان کہ وہ پاکستان کی تحریک شروع کرنے والوں میں شامل نہ تھے اور بھٹو سرکار میں ان کے وزیر اعلیٰ تھے وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں نہیں ہیں کہ قربانی کے بکرے چھری تلے بھی کان بند کر لیں کہ وہ زبان اور آنکھیں تو بند کر سکتے ہیں، کان بند کر لینا ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ کاش کوئی صاحبِ اکسیر یہ بھی کر دے۔

---

جناب مفتی محمود آج کل بالکل گاندھی ازم کی پیروی کر رہے ہیں۔ مہاتما گاندھی جی کانگرس حکومت میں بیک وقت باہر بھی تھے اور اندر بھی۔ باہر جسمانی طور پر اور اندر روحانی طور پر۔ چنانچہ جناب مفتی محمود بعض باتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "ہم یہ کر دیں گے" گویا زبانِ حکومت۔ کبھی کہتے ہیں "حکومت کو یہ کرنا چاہیئے" گویا حکومت سے باہر والے کی زبان۔ مثال کے طور پر وہ صحافیوں کے بارے میں حکومت سے صرف اپیل کرتے ہیں (جنگ۔ ۳۱ اگست) اور بھٹو دور کے ظالم افسروں کو کلیدی عہدوں سے ہٹانے کا فیصلہ سناتے ہیں۔ (جنگ ۳۰ اگست) اگر کابینہ کی تشکیل کے بعد سے ان کے سارے اخباری بیانات یکجا کئے جائیں تو ان کی اتھارٹی کے دو خانے الگ الگ نظر آئیں گے اور یہی گاندھی جی کی مہاتمائیت تھی۔

جماعت اسلامی (جسے جناب شاہ احمد نورانی نے اب ایک فرقہ کہنا شروع کیا ہے) کے امیر جناب طفیل محمد نے دعویٰ کیا ہے کہ بھٹو دور کا دوسرا قرطاس ابیض جناب بھٹو کے حامی عناصر نے تیار کیا ہے اور انہوں نے حقائق کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے (جنگ یکم ستمبر) اس میں نکتے کی بات وہی ہے جو حضرت ناظم رامپوری فرما گئے ہیں ؎

میرا ان کا معاملہ ناظم
کچھ جدا جنگ و آشتی سے ہے

---

حضرت حسرت موہانی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اکثر ان کی بات مسلم لیگ کے حلقوں میں نہیں مانی جاتی تھی لیکن اختلافِ رائے کے باوجود اپنی جرأتِ گفتار اور عظمتِ کردار کے باعث وہ رئیس الاحرار کہلاتے۔ افسوس کہ جناب کوثر نیازی سے اسی حوالے سے اچھا سلوک نہیں کیا جا رہا ہے۔ اب وہ جو بیانات داغ رہے ہیں' ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دراصل پاکستان پیپلز پارٹی میں مولانا حسرت موہانی تھے اور اسی وصف کی بنا پر انہیں راندۂ درگاہ کیا گیا (یعنی پی پی پی کے اقتدار سے ہٹنے کے بعد سے پہلے نہیں) مثال کے طور پر بقول ان کے انہوں نے کابینہ میں جناب بھٹو کی زرعی اصلاحات کی مخالفت کی تھی جو ایک "دھوکا" تھی لیکن کسی نے ان کی بات نہیں سُنی' اسی طرح پارٹی سے زمینداروں اور جاگیرداروں کے اخراج کے مطالبے پر ان کا دوسرے لوگوں سے تنازعہ تھا (جنگ ۲ ستمبر) اب تو پی پی پی کے ان لوگوں کو جواب تک "صاف دامن" اور "باہر" ہیں' موصوف کی مظلومی پر رحم آنا چاہیئے' خصوصاً ان کی اس تردید پر کہ انہوں نے حکومت سے کوئی پسِ پردہ معاہدہ کر لیا ہے۔

---

خاکسار تحریک کے سربراہ اور قومی اتحاد کے ایک بالس کے ستون جناب اشرف خاں نے بڑی رقت اور دلدوزی سے اتحاد اور اس کے سربراہ جناب مفتی محمود کے بارے میں چند شکایتیں کی ہیں، مثلاً اتحاد کے رہنماؤں کی معنی خیز چالوں سے انہیں صدمہ ہوا، اتحاد کے مذاکراتی وفد نے مرکزی کونسل کو جنرل صاحب سے بات چیت اور فیصلوں سے پوری طرح آگاہ نہیں کیا اور بہت سے امور سے بے خبر رکھا۔ جنرل صاحب نے وفد سے ملاقات کے دوران موصوف کی موجودگی پر اعتراض کیا' جناب مفتی محمود جنرل صاحب سے تنہائی میں ملے اور شرائط تسلیم کرائے بغیر ہی حکومت میں شامل ہو گئے وغیرہ وغیرہ (جنگ ۹ ستمبر)

اس موقعہ پر واویلا کے بجائے خان موصوف کو اپنے پیر و مرشد اور خاکسار تحریک کے بانی و ادارۂ علیہ ہندیہ جناب علامہ مشرقی کا یہ قطعہ یاد کرنا چاہیئے۔

راہے کہ بمنزل نہ رساند کفرست
طاعت کہ حکومت نہ دہاند کفرست
ہر عُسر کہ یُسر ش نہ ہویداست خطاست
اسلام کہ غالب نہ کناند کفرست

---

"مفتی اعظم بنگلہ دیش" جناب محمد نور الحق نے فرمایا ہے کہ ان کے ہاں مسلمانوں کی حالت سابقہ حکومت کے دَور سے بہت بہتر ہے اور انہیں اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی کی مکمل آزادی حاصل ہے (جنگ۔ ۹ ستمبر)

غیر منقسم بنگال ایک مسلم اکثریتی صوبہ تھا جس کی صورت مشرقی پاکستان بننے کے بعد بھی یہی رہی۔ اور یہ بھی سُنا جاتا رہا ہے کہ وہاں مسلمان مذہبی شعائر کے دیگر صوبوں کی بہ نسبت زیادہ پابند ہیں۔ اور پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنگلہ دیش کا قیام مغربی پاکستان کے ہاتھوں ان کے سیاسی' اقتصادی اور معاشی استحصال کے باعث وجود میں آیا لیکن یہ کبھی نہیں بتایا گیا کہ انہیں مذہبی فرائض کی ادائیگی کی اجازت نہیں تھی۔ اس اعتبار سے مفتی اعظم صاحب کا یہ انکشاف ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

## بقیہ: گرفتاریاں

۱۰۱۔ جناب صالح محمد بھایو۔ سندھی ہاری کمیٹی

۱۲ اگست ۱۹۷۸ء

۱۰۲۔ جناب مجاہد بریلوی۔ معیار کراچی۔
۱۰۳۔ جناب قیصر محمود بٹ۔ اعتماد کوئٹہ۔
۱۰۴۔ جناب رفیق احمد چوہدری۔ پسن ورکرز یونین لاہور
۱۰۵۔ جناب محمد یوسف میمن۔ مزدور تنظیمی کمیٹی۔
۱۰۶۔ جناب اللہ ڈینو۔ سندھی ہاری کمیٹی۔
۱۰۷۔ جناب یوسف زدران۔ ایس این ایس الیف۔

۱۳ اگست ۱۹۷۸ء

۱۰۸۔ جناب احمد علی خان۔ پسن کراچی۔
۱۰۹۔ جناب محمد زاہد۔ پی پی آئی بہاول پور۔
۱۱۰۔ جناب شوکت حسین۔ مساوات لاہور۔
۱۱۱۔ جناب یوسف لاشاری۔ سندھی ہاری کمیٹی۔
۱۱۲۔ جناب محمد داؤد۔ نوجوان محاذ۔

۱۴ اگست ۱۹۷۸ء

۱۱۳۔ جناب احمد علی علوی۔ صدر جنگ ایمپلائز یونین
۱۱۴۔ جناب خاور نعیم ہاشمی۔ مساوات لاہور
۱۱۵۔ جناب سلیم شاہد۔ امروز ملتان۔
۱۱۶۔ جناب محمد عمر مہر۔ سندھی ہاری کمیٹی۔
۱۱۷۔ جناب عبدالفتح میمن۔ لاڑکانہ مزدور فیڈریشن۔

۱۵ اگست ۱۹۷۸ء

۱۱۸۔ جناب حسان سنگرامی۔ مساوات کراچی۔
۱۱۹۔ جناب سومرو۔ نمائندہ مساوات۔
۱۲۰۔ جناب ایوب۔ آزاد لاہور۔
۱۲۱۔ جناب اسمٰعیل اداسی۔ سندھی ہاری کمیٹی۔
۱۲۲۔ جناب نور خان۔ متحدہ مزدور فیڈریشن

۱۶ اگست ۱۹۷۸ء

۱۲۳۔ جناب آغا ارباب۔ نمائندہ روزنامہ غریب فیصل آباد۔
۱۲۴۔ جناب محمد عرفان۔ دعوتِ عمل گوجرانوالہ۔
۱۲۵۔ جناب عبدالغنی ورس۔ عبرت حیدرآباد
۱۲۶۔ جناب محمد علی بلوچ۔ لاڑکانہ مزدور فیڈریشن
۱۲۷۔ جناب علی مراد کھوڑو۔ پروگریسو جیئے سندھ فیڈریشن۔

۱۷ اگست ۱۹۷۸ء

۱۲۸۔ جناب حبیب الرحمٰن سینیر مالشی چیئرمین اینیک۔ پشاور۔
۱۲۹۔ جناب محمد صدیق۔ اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جنگ ایمپلائز یونین کراچی۔
۱۳۰۔ جناب صبیح الدین غوثی۔ پی پی آئی کراچی
۱۳۱۔ جناب حسین بخش۔ سندھی ہاری کمیٹی۔
۱۳۲۔ جناب گل محمد کورشک۔ سندھی شاگرد تحریک

۱۸ اگست ۱۹۷۸ء

۱۳۳۔ جناب عزیز احمد صدیقی۔ سینیر اسسٹنٹ ایڈیٹر پاکستان ٹائمز کراچی۔
۱۳۴۔ جناب غلام عباس۔ جنگ کوئٹہ۔
۱۳۵۔ جناب شفیع محمد۔ ورکرز فیڈریشن۔
۱۳۶۔ جناب حبیب اللہ پنہور۔ لاڑکانہ مزدور فیڈریشن۔

۱۹ اگست ۱۹۷۸ء

۱۳۷۔ جناب جمیل اشرف ملک۔ مساوات کراچی
۱۳۸۔ جناب محمد خان۔ ہلالِ پاکستان۔
۱۳۹۔ جناب علی گوہر۔ لاڑکانہ لیبر فیڈریشن۔
۱۴۰۔ جناب محمد احمد رضوی۔ این ایس ایف۔

۲۰ اگست ۱۹۷۸ء

۱۴۱۔ جناب جہاں زیب۔ مساوات کراچی۔
۱۴۲۔ جناب طاہر اعوان۔ نمائندہ الفتح۔ این ایس او لاہور
۱۴۳۔ جناب غلام مصطفےٰ بھٹو۔ آل پاکستان سیمنٹ یونین فیڈریشن۔
۱۴۴۔ جناب مراد حسین۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۲۱ اگست ۱۹۷۸ء

۱۴۵۔ جناب اقبال جعفری۔ پسن کراچی۔
۱۴۶۔ جناب مسعود سلیمان۔ مساوات لاہور
۱۴۷۔ جناب جانِ عالم۔ این ایس ایف۔
۱۴۸۔ جناب راہب حسین۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۲۲ اگست ۱۹۷۸ء

۱۴۹۔ جناب ہمراز احسن۔ پی پی ایل یونین راولپنڈی
۱۵۰۔ جناب عزیز احمد خان۔ مساوات کراچی۔
۱۵۱۔ جناب ضیاء اعوان۔ پروگریسو اسٹوڈنٹس جامعہ کراچی۔
۱۵۱۔ جناب محمد صدیق چنا اسمٰعیل۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۲۳ اگست ۱۹۷۸ء

۱۵۳۔ جناب محمد معصوم۔ مساوات لاہور۔
۱۵۴۔ جناب انور علی مساوات لاہور۔
۱۵۵۔ جناب لالو عاقلانی۔ سندھی ہاری کمیٹی۔
۱۵۶۔ جناب سلیم بلوچ۔ این ایس ایف کراچی۔

۲۴ اگست ۱۹۷۸ء

۱۵۷۔ جناب عبادت شاہ۔ مساوات لاہور۔
۱۵۸۔ جناب محمد رفیق اختر مساوات لاہور۔
۱۵۹۔ جناب خلیق پنہور۔ سندھی ہاری کمیٹی۔
۱۶۰۔ جناب احمد علی سومرو۔ این پی ایس ایف لاڑکانہ

۲۵ اگست ۱۹۷۸ء

۱۶۱۔ جناب حبیب خان غوری۔ سکریٹری پریس کلب کراچی۔
۱۶۲۔ جناب محمد سلیم سندھی نمائندہ معیار لاڑکانہ۔
۱۶۳۔ جناب محمد حنیف سومرو۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۲۶ اگست ۱۹۷۸ء

۱۶۴۔ جناب موسیٰ طائر۔ ہلالِ پاکستان۔
۱۶۵۔ جناب عبدالباری خان۔ نوجوان محاذ۔
۱۶۶۔ جناب محمد جعفر خاکوانی سندھی ہاری کمیٹی۔

۲۷ اگست ۱۹۷۸ء

۱۶۷۔ جناب میر بشیر احمد۔ مساوات لاہور۔
۱۶۸۔ جناب محمد علی۔ مساوات لاہور۔

# بھارت: ہڑتالیں اور تالہ بندی

بھارت میں ہڑتالوں اور تالہ بندیوں کی صورتحال کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے ان عوامل کی وجہ سے ۱۹۷۷ء میں ۲ کروڑ ۱۰ لاکھ ۱۲ ہزار آدمیوں کے کام کے دن ضائع ہوئے۔ گویا اعداد و شمار ۱۹۷۴ء (جب ۴ کروڑ آدمیوں کے کام کے دن ضائع ہوئے تھے۔ جس کا بڑا حصہ ریلوے کی عظیم الشان ہڑتال کی وجہ سے ضائع ہوا تھا) کے سوا باقی ہر سال سے زیادہ تھے۔ لیکن حکومت نے اس حجت بازی سے اس کی حیثیت کم کرنے کی کوشش کی یہ کچھ اتنی زیادہ نہیں ہیں۔ (ایک کروڑ، ۶ ہزار دن) تالہ بندی کی وجہ سے ضائع ہوئے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ کافی دنوں کے اس نقصان میں سے ۵۰ فی صد دن صرف ۱۹۷۷ء کے آخری ۵ ماہ میں ضائع ہوئے۔

۱۶۹۔ جناب وجیہہ الدین۔ صدر این ایس ایف

۱۷۰۔ جناب محمد سلیمان۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۲۸ اگست ۱۹۷۸ء

۱۷۱۔ آنسہ نسرین زہرہ۔ خواتین محاذ کراچی۔

۱۷۲۔ جناب محمد اسمٰعیل۔ مساوات لاہور

۱۷۳۔ جناب جاوید اختر۔ مساوات لاہور۔

۱۷۴۔ جناب دینو شاہانی۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۲۹ اگست ۱۹۷۸ء

۱۷۵۔ مولانا خورشید انور۔ مساوات کراچی۔

۱۷۶۔ یار محمد چانڈیو۔ ماہنامہ تحریک کے نمائندہ مقیم ٹنڈو محمد خان۔

۱۷۷۔ مسٹر اسمٰعیل حمیری۔ سندھی ہاری کمیٹی بدین۔

۱۷۸۔ عبدالرسول۔ سندھی شاگرد تحریک بدین۔

۳۰ اگست ۱۹۷۸ء

۱۷۹۔ پروفیسر عادل بھٹی۔ سب ایڈیٹر روزنامہ تعمیر راولپنڈی۔

۱۸۰۔ محمد موسیٰ ماچھی۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۱۸۱۔ سلیم بلوچ۔ طالب علم۔

۱۸۲۔ رفیق اختر۔ مساوات لاہور۔

۳۱ اگست ۱۹۷۸ء

۱۸۳۔ ابرار رضوی۔ مساوات راولپنڈی

۱۸۴۔ محمد عارف۔ سینئر ایڈیٹر مساوات لاہور

۱۸۵۔ مسعود انور پلیجو۔ سندھی شاگرد کمیٹی۔

۱۸۶۔ گل محمد چانڈیو۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۲ ستمبر ۱۹۷۸ء

۱۸۷۔ جناب ظفر انجم۔ ایڈیٹر ماہنامہ آواز کراچی

۱۸۸۔ جناب رئیس احمد۔ مساوات کراچی۔

۱۸۹۔ جناب عبدالحمید فاروقی۔ سیکریٹری اطلاعات ڈیموکریٹ اسٹوڈنٹس فیڈریشن۔

۱۹۰۔ محرم میرحت۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۳ ستمبر ۱۹۷۸ء

۱۹۱۔ محمد اعجاز بٹ۔ سیاست گوجرانوالہ

۱۹۲۔ جناب عبدالعلیم۔ ماہنامہ تحریک ٹھٹھہ۔

۴ ستمبر ۱۹۷۸ء

۱۹۳۔ سید محمد صوفی۔ سب ایڈیٹر مساوات کراچی

۱۹۴۔ غازی محمد اسحاق عربی۔ نمائندہ مساوات گجرات

۱۹۵۔ شکیل احمد پٹھان، صدر عربی نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان صوبہ سندھ۔

۱۹۶۔ خدا بخش رند۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۵ ستمبر ۱۹۷۸ء

۱۹۷۔ مسعود قمر نمائندہ روزنامہ امن لائل پور

۱۹۸۔ ابراہیم۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۱۹۹۔ علی محمد۔ طالب علم۔

۲۰۰۔ جام۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۶ ستمبر ۱۹۷۸ء

۲۰۱۔ ابو نصر ملک۔ اسٹاف رپورٹر مشرق کراچی۔

۲۰۲۔ علی محمد۔ ہاری کمیٹی۔

۲۰۳۔ صادق جارجوی۔ طالب علم۔

۷ ستمبر ۱۹۷۸ء

۲۰۴۔ علی محمد جاٹ۔ ماہنامہ تحریک حیدرآباد کے نمائندہ مقیم ٹھٹھہ

۲۰۵۔ علی محمد خاں گیرانی۔ سندھی ہاری کمیٹی۔

۲۰۶۔ عبداللطیف سومرو۔ ہلال پاکستان۔ ۸ ستمبر ۷۸ء

۲۰۷۔ الطاف اسمٰعیل۔ سندھ این۔ ایس۔ ایف

۸ ستمبر ۷۸ء

۲۰۸۔ محمد بخش راڈ۔ سندھی ہاری کمیٹی۔ ۸ ستمبر ۷۸ء

۲۰۹۔ رحیم بخش جتوئی۔ امروز لاہور۔ ۹ ستمبر ۷۸ء

۲۱۰۔ عبدالقادر رانٹڑ۔ سندھی ہاری کمیٹی۔ ۹ ستمبر ۷۸ء

۲۱۱۔ خلیل کھتری۔ سندھ این ایس۔ ایف سندھ میڈیکل کالج کراچی۔ ۹ ستمبر ۷۸ء

۲۱۲۔ محمد الیاس لاکھو۔ روزنامہ ہلال پاکستان

۱۰ ستمبر ۱۹۷۸ء

۲۱۳۔ محمد علی سوڈر۔ سندھی ہاری کمیٹی۔ ۱۰ ستمبر ۷۸ء

۲۱۴۔ شیر افگن۔ مساوات لاہور۔ ۱۱ ستمبر ۷۸ء

۲۱۵۔ سلیمان لُنڈ۔ سندھی ہاری کمیٹی۔ ۱۱ ستمبر ۷۸ء

۲۱۶۔ محمود زمان۔ مساوات لاہور۔ ۱۲ ستمبر ۷۸ء

۲۱۷۔ آصف رضوی۔ مزدور کسان طلبہ رابطہ کمیٹی

۱۲ ستمبر ۱۹۷۸ء

۲۱۸۔ صدیق راہو۔ سندھی ہاری کمیٹی۔ ۱۲ ستمبر ۷۸ء

ان کے علاوہ تقریباً چالیس افراد جنہیں کلری لیاری سے تحریک آزادیٔ صحافت کی حمایت کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔

**بقیہ: ۲۷۰ گرفتاریاں**

سلسلے میں مفتی محمود کی مفاہانہ پیشکش کا بھی خیر مقدم کیا گیا تھا۔ لیکن جماعت اسلامی کے وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی نے اس تحریک کو اسلام دشمنی کے مترادف قرار دے کر یہ کہہ دیا کہ تمام اسلام دشمن قوتیں دراصل صحافیوں کے پلیٹ فارم پر جمع ہو رہی ہیں اور کمیونزم پاکستان کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔

دریں اثناء اطلاعات کے مطابق مارشل لائی وزیر دفاع مسٹر علی احمد تالپور نے سندھی ہاری کمیٹی کے سرکردہ رہنماؤں جناب اسمٰعیل سوہو، فاضل راہو اور ان کے ساتھیوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ کابینہ میں صحافیوں کی تحریک کا معاملہ زیر بحث آیا تھا جس میں تحریک کے جملہ مطالبات کی نشاندہی کی گئی اور جنرل صاحب کو رپورٹ پیش کی گئی کہ اس تحریک کے پس منظر میں پاکستان پیپلز پارٹی کام کر رہی ہے اور صحافیوں کی گرفتاری کی پیشکشی اور بھوک ہڑتال میں اس کا ہاتھ ہے۔ صحافی کسی قیمت پر حکومت سے مذاکرات نہیں چاہتے ہیں۔ اس صورت میں ان کا ساتھ دینے والے ہاریوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں ہو سکتی ہیں لہٰذا وہ تحریک سے الگ ہو جائیں۔ اس کے صلے میں ہاریوں کی بے دخلی بند کر دی جائے گی۔

سندھی ہاری کمیٹی کے رہنماؤں نے وزیر موصوف کو جواب دیا کہ صحافیوں کی تحریک برائے آزادیٔ اظہار سے علیحدگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہوں نے بتایا کہ صحافیوں کی تحریک کے آٹھ نکات ہیں جن میں سے چھ عوامی جدوجہد کمیٹی کے بھی ہیں۔ صحافیوں پر مذاکرات سے انکار کا الزام غلط ہے کیونکہ ان کی تحریک کی بنیاد ہی یہی ہے کہ ارباب اختیار صحافیوں کے حقیقی نمائندوں کو بلائیں اور ان سے بات کریں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صحافی مذاکرات نہیں چاہتے۔ ان رہنماؤں نے کہا کہ اگر حکومت اس تحریک کو رکوانا چاہتی ہے تو شریفانہ طریقہ یہی ہے کہ مطالبات تسلیم کئے جائیں۔ اگر کوئی سیاسی جماعت ان کی حمایت کر رہی ہے تو تحریک کے تسلیم کرتے ہی حمایت بے اثر ہو جائے گی۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب حکومت خواہ مخواہ وقار کا مسئلہ نہ بنائے اور خلوص دل کے ساتھ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرے۔ سندھی ہاری کمیٹی کے رہنماؤں نے وزیر دفاع پر واضح کیا کہ صحافیوں کی تحریک تمام مظلوم طبقات کے جذبات کے اظہار کی تحریک ہے اور اسی بنا پر سندھی ہاری کمیٹی صحافیوں کے شانہ بشانہ کام کر کے وقت کا سب سے بڑا تقاضہ پورا کر رہی ہے۔

ان رہنماؤں کے مسکت جواب سے بات آگے

نہ بڑھ سکی۔

## بقیہ : تشدد

جوان نے نصرت بھٹو کے سر پر اپنے "بلے" سے "ہٹ" لگائی اور "گیند" سے لہو بہنے لگا۔ نصرت بیگم لڑکھڑا کر گر گئیں۔ باہر پولیس والے ہجوم پر دھاوا بول دیتے ہیں اور نعرے لگانے والوں کو مارتے مارتے ٹرکوں میں لے جا کر بٹھاتے ہیں۔

جنوری ۱۹۷۸ء میں ملتان کی کالونی ٹیکسٹائل ملز کے نہتے مزدوروں کے خون سے ہولی بھی اس دور کی اسلامی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے جو اب کرسیوں پر جمنے کی رست و خیز میں دھندلاتا جا رہا ہے اور اسے بھی اسی طرح فراموش کراتے جانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، جیسے پٹے فیڈر کے کسانوں کے خون کی ارزانی کو۔

یہ اور اس قسم کے متعدد سانحات ہیں جو آئندہ تاریخ میں واردات کہلاتے جائیں گے جو مارشل لا حکومت کے عدم تشدد کی منہ بولتی تصویریں ہیں اگر ان میں صحافیوں کی حالیہ تحریک کے واقعات کو شامل کیا جائے تو یہ تصویریں تہہ در تہہ رنگین ہو جائیں گی۔

صداقت قلم کی اس تحریک میں نہ صرف صحافی بلکہ ہاری، اور طلبا بھی شامل ہیں اور سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جا رہا ہے اور کوئی امتیاز نہیں برتا جا رہا ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت یوں پیش آئی کہ پہلے ادوار میں پولیس کی تفنن طبع اور خوش فعلیوں کا مرکز طلبا اور دیگر محنت کش عناصر بنتے تھے۔ صحافی صرف پولیس کے اس دل پسند کھیل کی تصویریں اور خبریں چھاپتے تھے۔ کبھی کبھی اور کہیں کہیں ان کے ساتھ یہ عمل دہرایا جاتا تھا۔ مگر اب کے خصوصی التزام و التفات کے ساتھ ان کی مزاج پرسی کی جا رہی ہے کہ مساوات کا حق ادا کیا جا سکے۔

صحافیوں کو سزاؤں کے ساتھ کوڑے موجودہ مارشل لا کی ایجاد ہے اور گرفتار ہونے سے قبل اور اس کے بعد ان کے جسموں معصومانہ کھیل پولیس کی اس دیرینہ کارکردگی کا حصہ ہے جو اسے صدی نصف صدی اور ربع صدی سے ورثے میں ملتی ہے۔ آزاد اخبارات اور جرائد کے صفحات اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

بت شکن محمود غزنوی نے سومنات پر ستر جملے کئے تھے، مگر اس دور کے بت شکن اتنے حملوں کے متحمل نہیں ہیں۔ وہ "آناً فاناً" اسلام دشمن بتوں کو پاش پاش کرنے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہیں اور اسی لئے ابلاغ عامہ کے سوتے ان کی نظروں کی کاٹ پر ہیں کیونکہ جدید ترین فن حرب یہی ہے۔ آج کا انسان اپنی آگہی، اپنے شعور کی جلا اور اپنے دل کی بات کے لئے ابلاغ عامہ کا مرہون منت ہے اور اسی پر یلغار اس انسان کو مفتوح کرنے کا آسان ترین حربہ ہے چنانچہ جب دانشور، خصوصاً صحافی تسخیر ہو جاتے ہیں تو حکمران کے سر سے الگ ہٹ کر سر نکالنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہ جاتا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جتنی طاقت سے کام لیا جائے کم ہے، چنانچہ صحافیوں کو کوڑوں کی سزا کم از کم اس ملک میں ایک نئی ایجاد ہے۔ ان پر جسمانی تشدد ان کی رائے کی اہمیت کو اپنے تئیں گھٹانے، ان کی شعوری برتری کو نیچا دکھانے اور اپنے احساس کمتری کا مداوا کرنے کے لئے بے حد ضروری ہے۔

صحافیوں کو، کوڑوں کی سزا کے آغاز کا سراغ نہیں ملتا ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ غالباً ۱۶۸۶ء میں انگلستان میں اخباری صنعت کے موجد اور صحافی بین ہیرس کو ہز میجسٹی جیمز دوم کی حکومت پر تنقید کرنے کے جرم میں عدلیہ کے سربراہ چیف جسٹس سر ولیم اسکروگ نے کوڑوں اور سر عام لکڑی کے شکنجے میں کسنے کی سزا سنائی تھی۔ آزاد صحافت سے حکمرانوں کے خوف کا سرا بھی آسانی سے نہیں ملتا ہے البتہ آزادی صحافت کے سب سے بڑے علمبردار ملک انگلستان کے ایک گورنر سر ولیم برکلی کا ۱۶۷۱ء میں یہ اظہار تشکر بھی بڑی معنویت رکھتا ہے کہ "میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں آزاد اسکول (مفت تعلیم) نہیں ہیں اور نہ پریس ہیں اور مجھے امید ہے کہ ہمارے ہاں یہ سینکڑوں سال بھی نہیں ہوں گے۔ کیونکہ تعلیم نے نافرمانی اور سرکشی دنیا میں پھیلائی ہے اور پریس نے لوگوں کو حکومت کے لئے اکسایا ہے۔ خدا ہمیں ان سے محفوظ رکھے"

ہمیں چونکہ انگریزوں کا قانون حکمرانی ورثے میں ملا ہے، سولھویں صدی کے انگریز حکمرانوں کا طرز عمل بھی ہمارے لئے بے حد ضروری ہے۔ ہمیں حکومت سے اختلاف رکھنے والوں کو بھی اسی طرح تشدد سے کچلنا چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر کبھی سورج غروب نہ ہونے کا خواب بے معنی رہ جائے گا اور حکمرانی کا طرۂ امتیاز گرد آلود ہو جائے گا۔

## بقیہ : اندرون سندھ

اپنی ترجمانی سمجھا ہے۔ اندرون سندھ بزنجو کے بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ این ڈی پی کے شاہ محمد شاہ کی حیدرآباد میں پریس کانفرنس اور امن کے بعد محراب پور ضلع نواب شاہ میں عید ملن پارٹی کی روداد کے نتیجے میں سیاسی حلقے این ڈی پی میں ٹوٹ پھوٹ کو یقینی سمجھتے ہیں۔ این ڈی پی کے مرکزی کمیٹی کے پشاور اجلاس میں صوبائی خودمختاری کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت اختیار کرے گا۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ این ڈی پی کا قوم پرست حلقہ پارٹی سے علیحدگی اختیار کرے۔ اس طرح بلوچ لیڈروں کے تعاون سے شاید کوئی نئی سیاسی جماعت کی داغ بیل پڑے۔

خدا خدا کر کے مرکزی سویلین حکومت کا تو اعلان ہو گیا لیکن صوبائی حکومت کی تشکیل کا مسئلہ اب بھی کھٹائی میں پڑا ہے۔ باخبر حلقوں کے مطابق صوبائی حکومتیں عام حالات میں عید کے بعد حلف اٹھا لیتیں۔ اسی ضمن میں وزراء کا بھی تقریباً انتخابات ہو چکا ہے۔ لیکن صوبائی حکومتوں کی تشکیل کی راہ میں بلوچستان کی صورت حال رکاوٹ بن گئی ہے۔ بلوچستان میں عملی وجود رکھنے والی سیاسی جماعتوں اور گروہوں میں کالعدم نیپ کے ارکان، این ڈی پی، تحریک استقلال اور پیپلز پارٹی انتخابات کے بغیر غیر نمائندہ حکومت کے پہلے ہی خلاف ہیں۔ صرف جمعیت العلمائے اسلام اور مسلم لیگ دو جماعتیں ایسی ہیں جو غیر نمائندہ حکومت میں شامل ہیں۔ لیکن ان دونوں جماعتوں کا اثر بلوچستان میں برائے نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوبائی حکومتوں کی تشکیل مارشل لا انتظامیہ کے لئے مسئلہ بن گئی ہے۔

گو کہ صوبائی حکومت کی تشکیل ابھی تک مسئلہ ہے لیکن اقتدار پسندوں کو یہ یقین ہے کہ انتخابات کے بغیر حکومت جب بھی بنے مسلم لیگ حکومت میں نمایاں حیثیت پائے گی۔ اسی لئے اندرون سندھ وڈیروں کی جوڑ توڑ جاری ہے۔ پیپلز پارٹی کے سابق رکن قومی اسمبلی ملک سکندر خان گو کہ بدعنوانی کے الزام میں سات سال کے لئے سیاست میں حصہ لینے کے لئے نااہل قرار پا چکے ہیں۔ لیکن سیاسی جوڑ توڑ میں اب بھی مصروف دیکھے جاتے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق گذشتہ دنوں ملک سکندر خان نے دادو ضلع کے

دو سابق ارکان صوبائی اسمبلی کے ہمراہ مسلم لیگ کے سربراہ پیر پگاڑا سے کراچی میں ملاقات کر کے اپنی وفاداری کا یقین دلا کر آئندہ سیاسی تحفظ کی درخواست کی۔ اسی کے بعد مسلم لیگ سندھ کے صدر سید ذوالفقار علی شاہ جاموٹ نے ملک سکندر سے ملاقات کی۔ ملک صاحب کے قریبی حلقوں کے مطابق ملک صاحب کے لئے بدعنوانی کے الزام میں مقدمے کا خوف جان لیوا ثابت ہو رہا ہے۔ اسی لئے انہیں وفاداریاں تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آ رہی ہے ویسے بھی ملک صاحب روایت کے مطابق اقتدار کے خلاف کبھی بھی نہیں رہے ہیں۔ سیاسی زندگی کی ابتدا مسلم لیگ کے دورِ حکومت میں کی۔ کھوڑو، راشدی، فضل اللہ کے ساتھ مل کر ون یونٹ بنایا۔ ایوبی مارشل لاء لگنے پر کنونشن لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ ۱۹۷۰ء میں انتخابات کے اعلان کے ساتھ ہی صورتِ حال پیپلز پارٹی کے حق میں دیکھی تو اس میں شامل ہو گئے۔ اب جب کہ پیپلز پارٹی زیرِ عتاب ہے اور مسلم لیگ صاحبِ اقتدار بنی ہوتی ہے ملک صاحب ان سے دور کس طرح ہو سکتے ہیں۔ بات قابلِ ذکر بھی نہیں تھی۔ لیکن ریکارڈ کی درستی کے لئے لکھنا پڑا کہ کل آپ یہ نہ کہیں کہ یہ سب کچھ اچانک ہو گیا۔

کراچی میں صحافیوں کی احتجاجی گرفتاری کا سلسلہ تو جاری ہے ہی۔ اندرون سندھ لاڑکانہ میں بھی مزدوروں کی جدوجہد ایک نئے موڑ پر پہنچ چکی ہے۔ اب تک تقریباً ساڑھے دو سو مزدور گرفتار ہو چکے ہیں۔ لاڑکانہ کے طلبہ بھی مزدوروں کی حمایت میں سرگرم ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ لاڑکانہ کے مزدوروں کی حالیہ جدوجہد ۱۸ اگست سے شروع ہوئی ہے جب کہ اس سے قبل یکم جولائی ۱۹۷۸ء کو لاڑکانہ کے مزدوروں نے انگریزی روزنامہ سن والے پرویز صاحب کی الائیڈ ملز کو دوبارہ کھولنے، مزدوروں کے بقایاجات کی ادائیگی، بیڑی کے مزدوروں کی کٹوتی بند کرنے، ہائی ویز کے مزدوروں کی معطلی وغیرہ مطالبات پر بھوک ہڑتال شروع کی تھی۔ آٹھ دن کی جدوجہد کے بعد مارشل لاء کی انتظامیہ کی مداخلت پر سمجھوتہ ہوا۔ جس میں ان کے مطالبات تسلیم کئے گئے اور عمل درآمد کے لئے پندرہ یوم کی مہلت طلب کی گئی لیکن ایک ماہ سے زائد عرصہ گذرنے کے باوجود سمجھوتے پر عملدرآمد نہیں کیا گیا ہے۔ مجبوراً مزدوروں نے دوبارہ جدوجہد شروع کی ہے۔

موجودہ دورِ حکومت میں صحافت پر عائد پابندیوں کے خاتمے کے اعلان کے ساتھ ہی متعدد اخبارات و رسائل پابندیوں کی نذر ہو گئے۔ جن کے خلاف صحافیوں کو جدوجہد شروع کرنی پڑی۔ اندرون سندھ سب سے پہلا حملہ سندھی کے ماہوار رسالے سوہنی پر ہوا ہے۔ پھر نوائے جنگ اور اب ہفتہ وار ہلچل اور ہفتہ وار ہدایت پابندیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ صرف یہی نہیں ہوا ہے۔ کہ ہلچل اور ہدایت کا ڈیکلریشن منسوخ ہوا۔ بلکہ ساتھ ہی زینت پریس سیل کر دیا گیا اور پرچوں کے پرنٹر اور پبلشر کے خلاف مقدمہ بھی قائم کیا ہے۔ ان پر الزام ہے کہ وہ بغیر قانونی ڈیکلریشن کے پرچہ چھاپ رہے تھے۔ جب کہ ہدایت کے پبلشر کے پاس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ حیدرآباد کا جاری کردہ ڈیکلریشن موجود ہے بلکہ ۱۹۷۷ء میں پریس کی تبدیلی کی اور موجودہ زینت پریس میں رسالہ چھاپنے کی اجازت بھی موجود ہے اور یہ اجازت ہوم ڈپارٹمنٹ کی منظوری سے دی گئی ہے اسی طرح ہفت روزہ ہلچل کی اشاعت کے لئے بھی پبلشر اور پرنٹر کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ حیدرآباد نے ۱۸ مئی ۱۹۷۸ء کو ڈیکلریشن جاری کیا ہے۔ پبلشر نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ڈیکلریشن دکھایا۔ غریب لوگ ہیں۔ اپنے کردہ اور ناکردہ جرائم کی بھی معافی طلب کی۔ یقین بھی دلایا کہ سرکار کے خلاف نہیں رہیں۔ اس دوران وفاقی وزیر دفاع میر علی احمد خان تالپور حیدرآباد تشریف لائے۔ پریس کانفرنس کے موقع پر پرچوں کے پبلشر لکھانو خاں سیال نے اپنی شکایت پیش کی۔ اکثر صحافیوں نے بھی حمایت کی۔ میر صاحب نے ڈپٹی کمشنر سے لکھانو خان کی سفارش بھی کی لیکن ڈپٹی کمشنر کے لئے شاید وزیر کوئی اہم چیز نہیں تھے۔ کیوں کہ وہ تو صوبائی حکومت کو جواب دہ ہیں۔ اب لوگ سوال کرتے ہیں کہ کون بڑا ہے۔ ڈپٹی کمشنر یا وزیر؟ جواب تو ہم آپ بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن بہتر ہے کہ کوئی ذمہ دار دے۔ ہم ٹھہرے ایک معمولی قلم کار!۔

## بقیہ: غینوں کی ڈائری

چاہیئے کیوں کہ سابقہ حکومت کے دوران انہیں مظالم کا نشانہ بنایا گیا تھا اس کے نتیجے میں انہیں شہر تک چھوڑنا پڑا تھا لیکن باوجود تمام سختیوں کے وہ ثابت قدم رہے اور پیر سائیں کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا جب کہ ان دنوں عبدالقادر سنجرانی درپردہ سابق وزیر بلدیات جام صادق علی سے اپنا قارورہ ملائے ہوئے تھے یہی نہیں بلکہ بھٹو حکومت کے خلاف چلنے والی "تحریک" کے دوران محمد خان جونیجو اور عبدالقادر سنجرانی کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ ان دنوں سانگھڑ میں ہم نے تحریک چلائی تھی۔ آج مسلم لیگ کے کوٹے پر محمد خان کو وفاقی کابینہ میں شامل کر لیا گیا ہے اور صوبائی وزارت کے لئے سنجرانی طلب گار ہے اگر اسے وزارت دیدی گئی تو یہ ہمارے ساتھ زیادتی ہوگی۔

بہر نوع دوسرے گروپ کا یہ مؤقف بتایا جاتا ہے کہ محمد خان جونیجو اور عبدالقادر سنجرانی طبعاً امن پسند واقع ہوئے ہیں۔ اسی لئے وہ بظاہر جلسہ و جلوس، ہنگامہ و توڑ پھوڑ میں اتنے سرگرم نہیں تھے لیکن پیر سائیں سے ان کی وفاداری ہمیشہ شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے نیز دونوں سابق وزیر رہ چکے ہیں۔ اسی لئے تجربہ کار اور سیاسی توڑ جوڑ کے ماہر ہیں اگر محمد خان جونیجو کے بعد صوبائی کابینہ میں عبدالقادر سنجرانی کو بھی شامل کیا گیا تو ان کی صلاحیتوں سے سندھ میں نہ صرف مسلم لیگ کو تقویت پہنچے گی بلکہ پیر سائیں کے گروپ کو مضبوط و مستحکم بنایا جا سکتا ہے۔

چونکہ قومی اتحاد کی دیگر تین جماعتوں یعنی جماعت اسلامی، جمعیت العلمائے اسلام اور پی ڈی پی ضلع سانگھڑ میں برائے نام ہیں اور ان پارٹیوں کے مقامی لیڈروں و کارکنوں کی سیاست "فرسودہ برادری سسٹم" اور "مہاجریت" کے محور کے گرد گھومتی ہے لہٰذا وہ مقامی طور پر موجودہ صورتِ حال میں کوئی متاثر کن عنصر کی حیثیت نہیں رکھتے۔ چنانچہ وہ ٹک ٹک دیدم کی تصویر بنے دور سے اس رسہ کشی کا نظارہ کر رہے ہیں جب دونوں امیدواروں میں سے کسی ایک کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا تب وہ کامیاب ہونے والے کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال کر اپنی منافقانہ وفاداری کا یقین دلا دیں گے۔ ہمیشہ ان کا یہی وطیرہ رہا ہے۔

شنید ہے کہ پیر سائیں کسی تعلق، قربانی اور وفاداری کو خاطر میں نہیں لا رہے ہیں بلکہ اس کے برعکس ان کے نزدیک وزارت کی اہمیت کا پیمانہ صرف اور صرف پارٹی فنڈ ہے۔ لہٰذا جو امیدوار پارٹی فنڈ کے نام پر انہیں زیادہ سے زیادہ "نذرانہ" کی پیشکش کرتا ہے تو قرعۂ وزارت اسی کے نام نکلتا ہے۔ چنانچہ ائیر کنڈیشنڈ کمروں اور ڈرائنگ روموں میں کانا پھوسی کے ذریعے وزارت کی نیلامی میں زیادہ سے زیادہ بولیاں لگائی جا رہی ہیں۔

ایک صاحب کو نجی محفل میں یہاں تک کہتے سنا گیا ہے کہ اگر پانچ لاکھ میں بھی وزارت مل گئی تب بھی یہ سودا مہنگا نہیں ہے کیوں کہ اگر انتخابات ہوتے تو "موجودہ صورتِ حال" میں اسمبلی کی ممبری کے لئے اتنی ہی رقم خرچ کرنے کے باوجود کامیاب ہونا مشکل ہوتا۔ چہ جائیکہ ........ وزارت ....... چنانچہ ایسی صورت میں انتخابی دردسری کے بغیر اس رقم میں وزارت مل جائے تو اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے؟

## بیرون ملک [illegible]ستان میں مہنگائی بیروزگاری چھانٹی برطرفی ... کی گنتی

### 50 ممالک کے مندوبین کی پاکستان کی صورتحال پر تشویش

۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد ملک کی مجموعی سیاسی، سماجی اور اقتصادی صورتِ حال میں جو بے یقینی اور بداعتمادی کی کیفیت پیدا ہوئی ہے اس کے اثرات بیرونی ممالک میں بھی شدت سے محسوس کئے جا رہے ہیں۔ روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی، افراطِ زر، بیروزگاری، ہاریوں اور مزدوروں کی چھانٹی اور برطرفی، طلبۂ برادری میں بے چینی، صحافیوں کا احتجاج، فوجی عدالتوں سے سزائیں، قید و بند کی صعوبتوں کوڑوں کی سزائیں، عورتوں کی بے حرمتی، حوالات اور جیلوں میں ٹارچر کے نت نئے طریقوں کے استعمال سے پاکستان کے وقار اور اس کے تعلقات کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے موجودہ حالات پر بیرون ملک پاکستانیوں نے ہی نہیں بلکہ وہاں کے مقامی باشندے نے بھی سخت تشویش کا اظہار کرتے ہوتے وحشت اور بربریت کے اس کھیل کو مہذب معاشرے کی پیشانی پر بدنما داغ قرار دے رہے ہیں۔

ابھی حال میں ہی کیوبا کے دار الحکومت ہوانا میں نوجوانوں کی گیارہویں عالمی تقریب منعقد ہوئی جس میں پاکستان کے علاوہ دنیا بھر کے طلبۂ اور نوجوانوں کے وفود نے شرکت کی۔ اس موقع پر پاکستان کی موجودہ سنگین صورتِ حال پر جو قرارداد منظور کی گئی اس میں کہا گیا ہے کہ "ہم دنیا بھر سے آئے ہوئے نوجوان پاکستان میں ترقی پسند لٹریچر پر پابندی، غیر انسانی اور وحشیانہ سزائیں، کوڑے، ٹارچر اور قانون و انصاف کے سیاسی مقصد کے استعمال پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ طلباء، کسانوں، مزدوروں، صحافیوں اور دیگر سیاسی قیدیوں پر تشدد کے ان ظالمانہ طریقوں کے استعمال کو فی الفور بند کیا جائے۔

اس قرارداد میں ایران، افغانستان، لیبیا، امریکہ، سعودی عرب، نائیجیریا، نمیبیا، کیوبا، جاپان، فلسطین، آسٹریلیا، اسپنولہ، آسٹریا، مالٹا، بھارت، بولویا، پیراگوئے، گھانا، پرتگال، اسپین، بحرین، ترکی، جنوبی یمن، روس، سینیگال، بینن، نیپال، فلپائن، سری لنکا، نیوزی لینڈ، عراق، ایتھوپیا، الجزائر، لبنان، مغربی افریقہ اور دیگر ممالک کے ترقی پسند نوجوانوں کے وفود کے سربراہوں کے دستخط ہیں۔

# عوامی جدوجہد کمیٹی کے مطالبات

۱۔ مہنگائی اور بیروزگاری کی موثر روک تھام کی جائے۔ اور مہنگائی کے تناسب سے تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے۔

۲۔ تمام غیر معمولی (کالے) قوانین اور کوڑوں کی سزائیں منسوخ کی جائیں اور جمہوری آزادیاں بحال کی جائیں۔

۳۔ حقِ ہڑتال بحال کیا جائے۔ ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر سے پابندیاں ختم کی جائیں۔ چھانٹیاں اور تالابندیاں بند کیجائیں

۴۔ ہاریوں کی بیدخلیاں بند کی جائیں۔ انہیں نقصانات کے معاوضے ادا کئے جائیں۔

۵۔ تعلیمی اداروں میں سرکاری مداخلت بند کی جائے۔

۶۔ تمام گرفتار اخباری کارکنوں، مزدوروں، ہاریوں اور طلبۂ کو غیر مشروط طور رہا کیا جائے۔

وزیرِ دفاع صاحب!
یہ تشدد نہیں
تو کیا ہے
؟